ماہنامہ

پیغام صلح

مدیر: ناصر احمد بی-اے، ایل ایل بی

بانی سلسلہ احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام نے تحریک میں شمولیت کے لئے ذیل کے شرائط مقرر کئے:

دس شرائط بیعت

۱ بیعت کنندہ سچے دل سے عہد اس بات کا کرے کہ آئندہ اس وقت تک کہ قبر میں داخل ہو جائے شرک سے مجتنب رہے گا۔

۲ یہ کہ جھوٹ اور زنا اور بد نظری اور ہر ایک فسق اور ظلم اور خیانت اور فساد اور بغاوت کے طریقوں سے بچتا رہے گا اور نفسانی جوشوں کے وقت ان کا مغلوب نہیں ہو گا اگرچہ کیسا ہی جذبہ پیش آوے۔

۳ یہ کہ بلاناغہ پنجوقتہ نماز موافق حکم خدا اور رسولؐ کے ادا کرتا رہے گا اور حتی الوسع نماز تہجد کے پڑھنے اور اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے اور ہر روز اپنے گناہوں کی معافی مانگنے اور استغفار کرنے میں مداومت اختیار کرے گا اور دلی محبت سے اللہ تعالیٰ کے احسانوں کو یاد کر کے اس کی حمد اور تعریف کو ہر روز اپنا ورد بنائے گا۔

۴ یہ کہ عام خلق اللہ کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً اپنے نفسانی جوشوں سے کسی نوع کی ناجائز تکلیف نہیں دے گا۔ نہ زبان سے نہ ہاتھ سے نہ کسی اور طرح سے۔

۵ یہ کہ ہر حال رنج اور راحت اور عسر اور یسر اور نعمت اور بلا میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ وفاداری کرے گا اور بہر حالت راضی بقضا ہو گا اور ہر ایک ذلت اور دکھ کے قبول کرنے کے لئے اس کی راہ میں تیار رہے گا اور کسی مصیبت کے وارد ہونے پر اس سے منہ نہیں پھیرے گا بلکہ آگے قدم بڑھائے گا۔

۶ یہ کہ اتباع رسم اور متابعت ہوا و ہوس سے باز آئے گا اور قرآن شریف کی حکومت کو بکلی اپنے سر پر قبول کرے گا اور قال اللہ اور قال الرسول کو اپنی ہر راہ میں دستور العمل قرار دے گا۔

۷ یہ کہ تکبر اور نخوت کو بکلی چھوڑ دے گا اور فروتنی اور عاجزی اور خوش خلقی اور حلیمی اور مسکینی سے زندگی بسر کرے گا۔

۸ یہ کہ دین اور دین کی عزت اور ہمدردی اسلام کو اپنی جان اور اپنے مال اور اپنی عزت اور اپنی اولاد اور اپنے ہر ایک عزیز سے زیادہ عزیز تر سمجھے گا۔

۹ یہ کہ عام خلق اللہ کی ہمدردی میں محض للہ مشغول رہے گا اور جہاں تک بس چل سکتا ہے اپنی خدا داد طاقتوں اور نعمتوں سے بنی نوع کو فائدہ پہنچائے گا۔

۱۰ یہ کہ عاجز سے عقد اخوت محض للہ باقرار طاعت در معروف باندھ کر اس پر تا وقت مرگ قائم رہے گا اور اس عقد اخوت میں ایسا اعلیٰ درجہ کا ہو گا کہ اس کی نظیر دنیوی رشتوں اور تعلقوں اور تمام خادمانہ حالتوں میں پائی نہ جاتی ہو۔

("ازالہ اوہام" از حضرت مرزا غلام احمد قادیانی، بانی سلسلہ احمدیہ صفحات ۸۵۳، ۸۵۴-۱۸۹۱ء)

ناشر: احمدیہ انجمن اشاعت اسلام (لاہور) یو ایس اے

پتہ: ۱۳۱۵ کنگز گیٹ روڈ، کولمبس، اوہائیو ۱۵۰۴-۴۳۲۲۱ (یو ایس اے)

اس شمارے میں

حضرت مسیحؑ کی تعلیمات انجیل کی روشنی میں

از پروفیسر غلام رسول ایم۔اے

توحید

"پھر ابلیس (یسوع کو) ایک اونچے پہاڑ پر لے گیا اور دنیا کی سب سلطنتیں اور ان کی شان و شوکت اسے دکھائی اور اس سے کہا کہ اگر تو جھک کر مجھے سجدہ کرے تو یہ سب کچھ تجھے دے دوں گا۔ یسوع نے اس سے کہا اے شیطان دور ہو کیونکہ لکھا ہے کہ تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور صرف اسی کی عبادت کر"۔ (متی باب ۴ آیات ۱۰،۱۱)

اے اسرائیل سن! خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے اور تو خداوند خدا سے اپنے سارے دل سے اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری عقل اور اپنی ساری طاقت سے محبت رکھ۔ دوسرا یہ کہ تو اپنے پڑوسی سے اپنے برابر محبت رکھ۔ ان سے بڑا اور کوئی حکم نہیں۔ (مرقس باب ۱۲ آیات ۲۸ تا ۳۳، ۳۴)

حضرت مسیحؑ خدا کے رسول تھے

"اور ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ انسان تجھ خدائے واحد اور برحق کو جانے اور مسیح کو تیرا بھیجا ہوا (یعنی رسول یقین کرے)" (یوحنا باب ۱۷ آیت ۳)

"خدا کی حمد ہو جو رحمتوں کا باپ ہے" (کرنتھیوں ۱:۳)

"جس خدا نے دنیا اور اس کی ساری چیزوں کو پیدا کیا۔ وہ آسمان اور زمین کا مالک ہو کر ہاتھ کے بنائے ہوئے مندروں میں نہیں رہتا نہ کسی چیز کا محتاج ہو کر آدمیوں کے ہاتھوں سے خدمت لیتا ہے۔ کیونکہ وہ تو خود سب کی زندگی اور سانس اور سب کچھ دیتا ہے اور اس نے ایک ہی اصل سے آدمیوں کی ہر ایک قوم تمام روئے زمین پر رہنے کے لئے پیدا کی اور ان کی میعادیں اور سکونت کی حدیں مقرر کیں۔" (اعمال باب ۱۷ آیات ۲۴۔۲۸)

"یسوع نے پکار کر کہا کہ جو مجھ پر ایمان لاتا ہے وہ مجھ پر نہیں بلکہ میرے بھیجنے والے پر ایمان لاتا ہے"۔ (یوحنا باب ۱۲ آیت ۴۴)

"میں نے جو کچھ کہا اپنی طرف سے نہیں بلکہ باپ جس نے مجھے بھیجا ہے اس نے مجھ کو حکم دیا ہے کہ کیا کہوں اور کیا بولوں اور میں جانتا ہوں اس کا حکم ہمیشہ کی زندگی ہے"۔ (یوحنا باب ۱۲ آیت ۴۹، ۵۰)

خدا توبہ قبول کرتا ہے

"جس طرح ایک گڈریا ایک گم شدہ بھیڑ کو واپس پا کر خوش ہوتا ہے میں تم سے کہتا ہوں کہ اسی طرح ننانوے راست بازوں کی نسبت جو توبہ کی حاجت نہیں رکھتے ایک توبہ کرنے والے گناہگار کے باعث آسمان پر زیادہ خوشی ہوگی"۔ (لوقا باب ۱۵ آیت ۷)

"یسوع نے ایک بچے کو پاس بلا کر اسے ان کے بیچ میں کھڑا کیا اور کہا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اگر تم توبہ نہ کرو اور بچوں کی مانند نہ بنو تو آسمان کی بادشاہی میں ہرگز داخل نہ ہوگے"۔ (متی باب ۱۸ آیات ۲، ۳)

"جب تم میرے کہنے پر عمل نہیں کرتے تو کیوں مجھے خداوند خداوند کہتے ہو۔ جو کوئی میرے پاس آتا اور میری باتیں سن کر ان پر عمل کرتا ہے میں تمہیں جتاتا ہوں کہ وہ کس کی مانند ہے۔ وہ اس آدمی کی مانند ہے جس نے گھر بناتے وقت زمین گہری کھود کر چٹان پر بنیاد ڈالی جب رو آئی تو دھارا اس گھر پر زور سے گری مگر اسے ہلا نہ سکی .... لیکن جو سن کر عمل میں نہیں لاتا وہ اس آدمی کی مانند ہے جس نے زمین پر گھر کو بے بنیاد بنایا، جب دھارا اس پر زور سے گری تو وہ فی الفور گر پڑا اور وہ گھر بالکل برباد ہوا"۔ (لوقا باب ۶ آیات ۴۶ تا ۴۹)

گناہ کی سزا جہنم

"اور میں تم سے کہتا ہوں جو نکمی بات لوگ کہیں گے عدالت کے دن اس کا حساب دیں گے۔ کیونکہ تو اپنی باتوں کے سبب سے راست باز ٹھہرایا جائے گا اور اپنی باتوں کے سبب سے قصوروار ٹھہرایا جائے گا"۔ (متی باب ۱۲ آیات ۳۴ تا ۳۷)

"جو مجھ سے اے خداوند، اے خداوند کہتے ہیں ان میں سے ہر ایک آسمان کی بادشاہت میں داخل نہ ہو گا مگر وہی جو میرے آسمانی باپ کی مرضی پر چلتا ہے.... اس وقت میں ان سے صاف کہہ دوں گا کہ میری کبھی تم سے واقفیت نہ تھی۔ اے بدکارو! میرے پاس سے چلے جاؤ۔ پس وہ جو کوئی میری باتیں سنتا اور ان پر عمل کرتا ہے وہ عقل مند ہے.... اور جو کوئی میری یہ باتیں سنتا ہے اور ان پر عمل نہیں کرتا وہ بے وقوف ہے"۔ (متی باب ۱۲ آیات ۲۱ تا ۲۶)

اخلاقی تعلیم

"مبارک ہیں وہ جو دل کے غریب ہیں، جو حلیم ہیں، جو راست بازی کے بھوکے اور پیاسے ہیں، جو رحم دل ہیں، جو پاک دل ہیں، جو صلح کراتے ہیں، جو راست بازی کے سبب ستائے گئے"۔ (متی باب ۵ آیت ۱ تا ۱۰)

"تم میں ایسا کون سا آدمی ہے کہ اس کا بیٹا اس سے روٹی مانگے تو وہ اسے پتھر دے یا اگر مچھلی مانگے تو اسے سانپ دے؟ پس جب کہ تم برے ہو کر اپنے بچوں کو اچھی چیزیں دینا جانتے ہو تو تمہارا باپ جو آسمان پر ہے۔ اپنے مانگنے والوں کو اچھی چیزیں کیوں نہ دے گا؟ پس جو تم چاہتے ہو کہ لوگ تمہارے ساتھ کریں وہی تم بھی ان کے ساتھ کرو کیونکہ توریت اور نبیوں کی تعلیم یہی ہے"۔ (متی باب ۷ آیت ۹ تا ۱۲)

"خبردار اپنے راست بازی کے کام آدمیوں کے سامنے دکھانے کے لئے نہ کریں، نہیں تو تمہارے باپ کے پاس جو آسمان میں ہے تمہارے لئے کچھ اجر نہیں ہے۔ پس جب تو خیرات کرے تو اپنے آگے نرسنگا نہ بجوا، جیسا ریاکار عبادت خانوں اور کوچوں میں کرتے ہیں تاکہ لوگ ان کی بڑائی کریں۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ وہ اپنا اجر پا چکے۔ بلکہ جب تو خیرات کرے تو جو تیرا داہنا ہاتھ کرتا ہے اسے تیرا بایاں ہاتھ نہ جانے تاکہ تیری خیرات پوشیدہ رہے۔ اس صورت میں تیرا باپ جو پوشیدگی میں دیکھتا ہے تجھے بدلہ دے گا"۔ (متی باب ۶ آیات ۱ تا ۳)

"تم اگلے لوگوں سے سن چکے ہو کہ زنا بہت پاپ ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ جو شخص پرائی عورت کی طرف بری نظر سے دیکھتا ہے وہ دل میں زنا کا مرتکب ہو چکا۔ س لئے اگر تمہاری آنکھ یا ہاتھ ایسی حرکت کرلے تو اسے کاٹ کر پھینک دے"۔ (متی باب ۵)

ماں باپ کی عزت

"تم لوگ خدا کے حکم کو باطل کرتے ہو اور اپنے گھڑے ہوئے قوانین برقرار رکھتے ہو۔ خدا نے تورات میں حکم دیا تھا کہ ماں باپ کی عزت کرو اور جو کوئی ماں باپ کو برا کہے وہ جان سے مرا جائے"۔ (متی ۱۹ آیت ۲)

انگریزی سے ترجمہ

کیپٹن عبدالسلام خان

اسلام کا حقیقی عیسیٰؑ

جرمن عیسائی محقق اور مفکر ہولگر کرسٹن کی رائے

عیسیٰ، جو نام اسلام میں عام طور پر "جیسز" کی جگہ استعمال ہوتا ہے یہ سریانی زبان کے "یشوع" سے مشتق ہے اور اسی لفظ کو تھوڑا تبدیل کر کے "عیسیٰ" بنادیا گیا ہے تاکہ "موسیٰ" کے ہم قافیہ بن جائے۔

قرآن کریم میں حضرت عیسیٰ نبی اللہ کے متعلق بھرپور اور وسیع تفصیلات دینے کی وجہ اغلباً اُن کے ماننے والوں کی تحریرات میں حضرت عیسیٰ کے بارے میں مسخ شدہ خاکہ کی تصحیح مقصود ہو۔ حضرت عیسیٰ بنی اسرائیل کے آخری عظیم نبی اور نبی کریم صلعم کے لئے بطور پیش رو کے سمجھے جاتے ہیں یہاں تک کہ یہ بھی ان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اُنہوں نے "نبیوں میں ایک عظیم ترین نبی" کے آنے کی پیشگوئی کی تھی۔

جیسے کہ انجیل میں حضرت عیسیٰ فرماتے ہیں:

"مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنی ہیں مگر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے لیکن جب وہ یعنی سچائی کا روح آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا۔ اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے کچھ نہ کہے گا بلکہ جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔ وہ میرا جلال ظاہر کرے گا۔ اس لئے کہ مجھ سے ہی حاصل کر کے تمہیں خبریں دے گا" (یوحنا ۱۶:۱۲)

چونکہ حضرت محمد صلعم خود کو موعود "سچائی کی روح" سمجھتے تھے اس لئے وہ محسوس کرتے تھے کہ اُن کا فرض ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ کی تعلیم کی اپنے نور بصیرت کی روشنی میں تعبیر و تفسیر کریں اور حضرت عیسیٰ کی عزت و تکریم کو بحال کریں۔ صلیب پر وفات کے بارے میں عیسائی کلیسا جو کچھ کہہ رہا ہے اس کے بالمقابل حضرت مسیح کو صلیبی موت کی ذلت سے نجات دلانے کے بعد ان کا اسلام کے حلقہ میں حضور صلعم کے ایک عظیم پیش رو کے طور پر استقبال کیا گیا ہے۔ پھر بھی "مسیح ابن مریم صرف رسول ہے اس سے پہلے بھی رسول گزر چکے" (۵:۷۵)۔

قرآن کریم میں ہم یہ بھی حضرت مسیح کے مشن کے بارہ میں پڑھتے ہیں: "اور یقیناً ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اس کے بعد پے در پے رسول بھیجے اور ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ کو کھلے دلائل دیئے اور روح القدس کے ساتھ اُس کی تائید کی!" (۲:۸۷)

اس تمام ترمدح کے باوجود تامل کا عنصر موجود ہے کیونکہ اسلام واضح طور پر اس خیال کو کہ حضرت عیسیٰ خدا کی انسانی شکل میں تجسیم تھے مسترد کرتا ہے۔

"اے اہل کتاب اپنے دین میں غلو مت کرو اور اللہ کی نسبت سوائے حق کے کچھ نہ کہو۔ مسیح عیسیٰ بن مریم صرف اللہ کا رسول اور اُس کی پیشگوئی ہے جو اُس نے مریم کی طرف القا کی اور اُس کی طرف سے روح ہے۔ سو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور مت کہو تین ہیں۔ باز آجاؤ، تمہارے لئے بہتر ہے اللہ صرف ایک ہی معبود ہے وہ اس سے پاک ہے کہ اس کا بیٹا ہو، اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ ہی کافی کارساز ہے"۔

"مسیح ہرگز برا نہیں مناتا کہ وہ اللہ کا بندہ ہو اور نہ ہی مقرب فرشتے اور جو کوئی اُس کی بندگی کو برا منائے اور تکبر کرے تو وہ اُن سب کو اپنی طرف اکٹھا کرے گا" (۴:۱۷۱-۱۷۲)

ایک اور واضح عبارت یوں ہے:

"یہ ان کی بات نقل کرتے ہیں جو پہلے کافر ہوئے انہوں نے اپنے عالموں اور راہبوں کو اللہ کے سوائے رب بنالیا ہے اور مسیح ابن مریم کو اور ان کو سوائے اس کے کچھ حکم نہ دیا گیا تھا کہ ایک معبود کی عبادت کریں۔ اس کے سوائے کوئی معبود نہیں وہ اس سے پاک ہے جو وہ شریک ٹھہراتے ہیں" (۹:۳۱)

قرآن کریم صاف صاف بیان کرتا ہے کہ حضرت عیسیٰ صلیب پر فوت نہیں ہوئے اور یہودیوں کو اس بارہ میں دھوکا لگا تھا۔

"اور اُن کے کفر کے سبب سے اور ان کے مریم پر بڑا بہتان باندھنے

کی وجہ سے۔ اور ان کے یہ کہنے کی وجہ سے کہ ہم نے مسیح عیسیٰؑ ابن مریم اللہ کے رسول کو قتل کر دیا اور انہوں نے نہ اسے قتل کیا اور نہ اُسے صلیب پہ مارا مگر وہ اُن کے لئے اس جیسا بنا دیا گیا۔"

"اور بیشک وہ لوگ جنہوں نے اس کے متعلق اختلاف کیا اس بارے میں شک میں ہیں کہ ان کو اس کا کچھ علم نہیں صرف گمان کے پیچھے چلتے ہیں اور اُنہوں نے اس کو یقینی طور پر قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے اسے اپنا قرب عطا فرمایا اور اللہ غالب حکمت والا ہے" (۴:۱۵۶-۱۵۸)

عربی کا لفظ صلبوہ کا مطلب اس سیاق و سباق میں "صلیب پر موت" کا مفہوم رکھتا ہے۔ اس لئے فقط صلیب پر میخیں گاڑ کر لٹکا دینا یقیناً موت اس سے مراد نہیں۔

امر واقعہ یہ ہے کہ اُس دوران جبکہ قرآن کریم کا نزول ہو رہا تھا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود یہودیوں کو یقین کامل نہ تھا کہ حضرت مسیح واقعتاً صلیب پر وفات پا گئے تھے۔ قرآن کریم اس بات کا بھی جواب دیتا ہے کہ حضرت مسیح صلیب پر چڑھائے جانے کے بعد کہاں گئے۔

"اور ہم نے ابن مریم اور اس کی ماں کو ایک نشان بنایا اور ان دونوں کو ایک بلند جگہ پر پناہ دی جو ہموار اور چشموں والی تھی۔ (۲۳:۵۰)

اس بیان کردہ تصویر میں اور کشمیر میں انتہائی مماثلت پائی جاتی ہے ایک دوسرے ترجمہ میں تعجب انگیز طور پر پہاڑیوں کے درمیان جگہ کو "سبز وادی" بھی کہا گیا ہے۔

حضرت میرزا غلام احمد جو ہندوستان میں ۱۸۳۵ء میں پیدا ہوئے۔ مسلمان احمدیہ فرقہ کے بانی تھے یہی فرقہ یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ قرآن اس سچائی کی تصدیق کرتا ہے کہ حضرت مسیحؑ کو صلیبی موت سے بچا لیا گیا تھا۔ ایک لعنتی موت اُن کے شایانِ شان نہ تھی!

انجیل کی عبارت بھی حضرت مسیحؑ کے صلیب سے زندہ بچ نکلنے کی تصدیق اس طرح کرتی ہے کہ وہ اُس موازنہ کو بیان کرتی ہے جو حضرت مسیحؑ نے اپنے آپ اور یونس نبی کے درمیان کیا، یونسؑ نبی وہیل کے پیٹ میں نہیں مرے تھے بلکہ زندہ دوبارہ نکل آئے تھے۔ اگر حضرت عیسیٰؑ قبر میں فوت شدہ حالت میں پڑے ہوتے تو پھر اس تمثیل کے دینے کی کیا ضرورت تھی۔

"کیونکہ جیسے یونس تین رات دن مچھلی کے پیٹ میں رہا ویسے ہی ابن آدم تین رات دن زمین کے اندر رہے گا" (متی ۱۲:۴۰)

احمدیوں کے نزدیک جو کہ آج بھی اسلام کے سلسلہ میں ایک مقبول حیثیت کے مالک ہیں حضرت مسیحؑ کا صلیب سے زندہ بچ نکلنا پرانے عہد نامہ کی پیش گوئیوں کو پورا کرتا ہے۔

یسعیاہ نبی کی کتاب میں ہم یوں پڑھتے ہیں:

"جب اس کی جان گناہ کی قربانی کے لئے گذاری جائے گی تو وہ اپنی نسل کو دیکھے گا۔ اُس کی عمر دراز ہو گی اور خدا کی مرضی اُس کے ہاتھ کے وسیلہ سے پوری ہو گی (یسعیاہ ۵۳:۱۰)۔

یسعیاہ نبی کی کتاب ایسا کوئی دعویٰ نہیں کرتی کہ خدا کا موعود بندہ مر جائے گا۔ حتیٰ کہ زبور باب ۳۴ میں بھی درج پیشگوئی میں ایسا کوئی اشارہ نہیں کہ مسیحؑ مارا جائے گا۔

"صادق کو مصیبتیں بہت ہیں لیکن خداوند اُس کو اُن سب سے رہائی بخشتا ہے" (زبور ۳۴:۱۹)۔ اس سب سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ خدا کا کوئی ارادہ نہ تھا کہ حضرت مسیحؑ صلیب کی لعنتی موت مریں! عرب روایات کے مطابق ایک انسان صرف اُس وقت لعنتی ہو جاتا ہے جب وہ خدا سے منہ موڑ لیتا ہے۔ یعنی "سیاہ" ہو جاتا ہے۔ خدا کی محبت اُٹھ جاتی ہے اور ہمیشہ کے لئے خدا کی رحمت سے وہ محروم ہو جاتا ہے اور خدا کی معرفت سے سراسر تہی ہو جاتا ہے، اور وہ شیطان کی طرح دھوکے بازی کے زہر سے بھر جاتا ہے اور خدا کے محبت بھرے نور کی ایک شعاع بھی اُس تک نہیں پہنچ پاتی۔ جب وہ خدا سے ہر تعلق کو مسترد کر دیتا ہے اور اُس کا دل خدا کے خلاف آزردگی نفرت اور دشمنی کے جذبات سے بھر جاتا ہے، تب پھر خدا اُس کا دشمن ہو جاتا ہے اور بیزاری کے ساتھ اُس سے منہ موڑ لیتا ہے!

میرزا غلام احمد صاحب کا خیال ہے کہ عیسائیوں کو حتمی طور پر اس اصطلاح یعنی "لکڑی کی صلیب پر ملعون ہونا" کے مفہوم کا صحیح ادراک ہی نہیں ہے وگرنہ وہ ہرگز اس بات کو حضرت عیسیٰؑ جیسے پاکباز انسان کے بارہ میں اپنی تعلیمات کا حصہ نہ بناتے۔" ("حضرت عیسیٰ نے ہندوستان میں زندگی گذاری" از ہولگر کرسٹن صہ ۱۹۲-۱۹۴)

حضرت عیسیٰ ؑ کے صلیب دیئے جانے، اس سے بچ نکلنے اور بعد کے واقعات کے بارے میں تحقیق کا تاریخی جائزہ

ناصر احمد، بی اے۔ ایل ایل بی

۱۸۹۰ء میں مذاہب عالم کی تاریخ میں پہلی بار حضرت میرزا غلام احمد صاحب قادیانی، بانی تحریک احمدیت فی الاسلام نے خدا تعالیٰ سے اطلاع پاکر اعلان کیا کہ حضرت مسیحؑ صلیب پر فوت نہیں ہوئے۔ اسی سال انہوں نے ایک جامع کتاب "ازالہ اوہام" شائع کی جس میں انہوں نے بکثرت بائبل اور قرآن کریم کے حوالے دے کر حتمی طور پر ثابت کیا کہ حضرت مسیحؑ صلیب کی لعنتی موت سے بچ نکلے تھے اور خفیہ طور پر فلسطین سے "بنی اسرائیل کے گم شدہ قبائل" کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے تھے۔ ان کی تصنیف کردہ تمام اسی (۸۰) کتابوں میں جو کہ اردو، فارسی اور عربی میں ہیں یہ بحث موجود ہے۔

تاریخ گواہ ہے کہ ۷۲۱ ق م میں سرجون دوم (Sargaon II) نے مملکت اسرائیل پر قبضہ کر لیا تھا اور تمام کے تمام یہودی باشندے گرفتار ہو کر جلاوطن کئے گئے۔ ان میں سے اکثر قبیلے ایران، افغانستان اور ہندوستان چلے آئے اور یہاں بود و باش اختیار کر لی۔ اس طرح بانی تحریک احمدیہ نے تاریخی شہادتیں اکٹھی کر کے ثابت کیا کہ یہودی قبیلے واقعی ان علاقوں میں آباد ہو گئے تھے اور حضرت مسیحؑ اپنا الٰہی مشن پورا کرنے کے لئے (متی ۱۵:۲۴) اُن کے پاس گئے اور بالآخر ۱۲۵ سال کی عمر میں وفات پائی۔

اس موضوع کا یہ پہلو حضرت میرزا غلام احمد صاحب اپنی مندرجہ ذیل کتابوں میں زیر بحث لائے ہیں۔

۱۔اتمام الحجۃ (۱۸۹۴)، ۲۔نور القرآن (۱۸۹۵)، ۳۔نور الحق حصہ دوم (۱۸۹۸)، ۴۔راز حقیقت (۱۸۹۸)، ۵۔تحفہ گولڑویہ (۱۹۰۰)، ۶۔الہدیٰ (۱۹۰۲) ۷۔براہین احمدیہ حصہ پنجم (۱۹۰۸)، ۸۔نزول مسیح (۱۹۰۹)۔

۱۸۹۹ء میں حضرت میرزا صاحب کے ایک مخلص مرید خلیفہ نور الدین ساکن جلال پور جٹاں (ضلع گجرات) نے جو کافی عرصہ کشمیر میں رہ چکے تھے، حضرت مرزا صاحب کو بتایا کہ سرینگر میں ایک نبی یوز آسف یا عیسیٰ صاحب کا مزار موجود ہے اور یہ صاحب بیرونِ ملک سے یہاں آئے تھے۔ حضرت میرزا صاحب کی ہدایت پر خلیفہ نور الدین صاحب سرینگر تشریف لے گئے تاکہ مزید تحقیق کر سکیں۔ انہوں نے وہاں چار ماہ قیام کیا اور وہاں کے مقامی باشندوں سے اس امر کے بارے میں ۵۵۶ دستخط اور شہادتیں اکٹھی کیں کہ واقعی یہ مزار حضرت مسیحؑ کا ہے اور اس مقبرہ کا ایک نقشہ بھی بنا کر ساتھ لائے۔

اس کے کچھ عرصہ بعد سرینگر کے ایک ممتاز وکیل مولوی محمد عبداللہ صاحب نے اس بارہ میں مزید شہادتیں اکٹھی کیں۔ یہ تمام تاریخی، لسانی، نسلی اور ثقافتی حقائق و شواہد، بشمول ایک نقشہ کے جس میں اس راستہ کا نقشہ دیا گیا تھا جو حضرت مسیحؑ نے ہندوستان آنے کے لئے اختیار کیا سب کچھ کتاب "مسیحؑ ہندوستان میں" اکٹھے کر کے شائع کر دیئے گئے۔ اس موضوع پر یہ کتاب ایک منفرد اور بنیادی تحقیق ہے۔ جو حضرت میرزا غلام احمد صاحب نے ۱۸۹۹ء کے لگ بھگ کتابی شکل میں لکھی مگر اس خیال سے کہ اس میں مزید شواہد شامل کئے جا سکیں اس کی اشاعت میں تاخیر کی گئی۔ بالآخر بانی سلسلہ کی وفات کے بعد ۱۹۰۸ء میں یہ کتاب شائع ہوئی اور اس کا انگریزی ترجمہ قادیان سے ۱۹۴۴ء میں شائع کیا گیا۔

یہاں اس کتاب کے مندرجات کا مختصر خلاصہ درج کرنا مناسب ہوگا۔ شروع میں خیال تھا کہ کتاب کے دس ابواب ہوں گے مگر جب شائع ہوئی تو اس کے صرف چار باب تھے۔ پہلا باب حضرت مسیحؑ کی صلیب پر موت سے بچ نکلنے اور ان کے بلاد مشرق کی طرف سفر کے بارہ میں بائبل کے حوالہ سے بحث پر مشتمل ہے۔

دوسرا باب حضرت مسیحؑ کے صلیب پر موت سے بچ نکلنے کے بارہ میں قرآن کریم اور حدیث میں مندرج حوالوں اور شواہد پر مشتمل ہے۔

تیسرا باب حکیمی نسخوں کی ان ۳۳ مشہور کتابوں کی فہرست مہیا کرتا ہے جس میں مرہم عیسیٰ کا نسخہ درج ہے اور ثابت کرتا ہے کہ یہ وہی مرہم

ہے جو کہ اُن زخموں پر لگایا گیا جو صلیب پر میخیں ٹھونک کر لٹکانے کی وجہ سے حضرت مسیحؑ کو لگے تھے۔ مصنف کے مطابق ایسی کتب کی فہرست ایک ہزار سے بھی زیادہ ہے۔ مگر انہوں نے صرف چند زیادہ مشہور مشرقی اور یورپی حکیمی نسخوں کی کتب جو کہ یہودی، عیسائی اور مسلمان ماہرین طب نے لکھی ہیں، کا انتخاب کیا ہے۔

چوتھا اور آخری باب مندرجہ ذیل امور پر مشتمل ہے۔

(الف) حضرت مسیحؑ کے دوسرے سفر کے بارے میں اسلامی ماخذوں سے حاصل کردہ تاریخی شواہد جو انہوں نے نسیبین تک کیا اور پھر ایران اور افغانستان ہوتے ہوئے ہندوستان آئے اور بالآخر کشمیر پہنچے۔

(ب) بدھ مت کے ماخذوں کے شواہد جو یہ ثابت کرتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ مہاتما بدھ کی اس پیشگوئی کو کہ "ان کے مرنے کے پانچ سو سال بعد ایک دوسرا بدھ آکر ان کی تعلیمات کا احیاء کرے گا اس کا نام میتیا ہو گا (عبرانی میں مسیح پالی زبان میں میتیا بن گیا)" (بحوالہ کتاب "بدھا" مصنفہ ڈاکٹر ہرمن اولڈن برگ صفحہ ۱۴۴) مہاتما بدھ کے مصداق بن کر ہندوستان تشریف لائے تھے۔ اس باب میں گوتم بدھ اور حضرت مسیحؑ کی تعلیمات، اُن کے طرز بیان اور اُن دونوں کی تمثیلات کے رنگ میں وعظ کرنے کی مماثلتیں بیان کی گئی ہیں۔ یہ باب نہایت مستند شہادتیں بھی پیش کرتا ہے کہ تبت میں لکھی گئی ساتویں صدی عیسوی کی کتب میں حضرت مسیحؑ کا ذکر "می شی ہو" کے نام سے کیا گیا ہے (بحوالہ کتاب اے ریکارڈ آف بدھسٹ ریلیجن مصنفہ آئی سنگ مترجمہ جی۔ تکاکوسو)

(ج) کہ بنی اسرائیل کے دس گم شدہ قبائل یروشلم سے ہجرت کر کے افغانستان اور کشمیر میں آکر آباد ہو گئے تھے اور حضرت مسیحؑ اُن کی تلاش میں یہاں آئے تھے تاکہ اپنے الٰہی مشن کی تکمیل کر سکیں۔

احمدی علماء اور محققین نے اس موضوع پر جو مقالے لکھے ہیں اُن میں مندرجہ ذیل قابل ذکر ہیں:

(1) *An Important Discovery regarding Jesus Christ* by Maulana Muhammad Ali, *Review of Religions,* Qadian (1902, pp.421-426)

"حضرت مسیحؑ کے بارہ میں ایک اہم دریافت" از مولانا محمد علی صاحب

(2) *Jesus did not Die on the Cross*

"حضرت عیسیٰ صلیب پر فوت نہیں ہوئے" از حضرت اقدس مرزا غلام احمد (ماہنامہ "ریویو آف ریلیجنز" قادیان، ستمبر ۱۹۰۳ء صفحہ ۳۳۶ تا ۳۴۲)

(3) *The Tomb of Jesus in Srinagar*

"سرینگر میں حضرت عیسیٰ کا مقبرہ" از حضرت اقدس مرزا غلام احمد (ماہنامہ "ریویو آف ریلیجنز" ستمبر ۱۹۰۳ء صفحہ ۳۳۶ تا ۳۴۲)۔

(4) *Jesus among the Ten Lost Israelite Tribes in the East*

"حضرت عیسیٰ مشرق میں گم شدہ دس اسرائیلی قبائل کے درمیان" از مولانا محمد علی صاحب ("ریویو آف ریلیجنز" جنوری ۱۹۰۳ء صفحہ ۸ تا ۱۹، فروری ۱۹۰۳ء صفحہ ۵۱ تا ۶۶، مئی ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۸۱ تا ۱۹۲، جون ۱۹۰۳ء صفحہ ۲۲۰ تا ۲۲۵، اکتوبر ۱۹۰۳ء صفحہ ۳۹۳ تا ۳۹۹۔)

(5) *The Tomb of Jesus in Srinagar*

"سرینگر میں حضرت عیسیٰ کا مقبرہ" از مولانا شیر علی صاحب۔ (ماہنامہ "ریویو آف ریلیجنز" مئی ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۹۷ تا ۲۰۴، نومبر دسمبر ۱۹۰۳ء صفحہ ۴۵۷ تا ۴۶۶)۔

(6) *Christ's So-called death on the Cross*

"حضرت عیسیٰ کی صلیب پر نام نہاد موت" از مولانا محمد علی صاحب۔ (ماہنامہ "ریویو آف ریلیجنز" قادیان، جون ۱۹۰۳ء صفحہ ۲۲۸ تا ۲۳۴)۔

(7) *The Story of Crucifixion*

"صلیب پر لٹکانے کی کہانی" از مولانا محمد علی صاحب، (ماہنامہ "ریویو آف ریلیجنز" قادیان۔ فروری ۱۹۰۹ء صفحہ ۴۹ تا ۶۶)۔

(8) *The Lost Tribes of Israel*

"بنی اسرائیل کے گم شدہ قبیلے" از مولانا محمد علی صاحب۔ (ماہنامہ "ریویو آف ریلیجنز" نومبر ۱۹۰۹ء صفحہ ۴۸۷ تا ۴۹۶)۔

(9) *The Escape of Jesus from the Cross*

"حضرت عیسیٰ کا صلیب سے بچ نکلنا" از مولانا محمد علی صاحب۔ (ماہنامہ "ریویو آف ریلیجنز" قادیان۔ جون ۱۹۱۰ء صفحہ ۲۲۱ تا ۲۵۶، دسمبر ۱۹۱۱ء صفحہ ۵۰۹ تا ۵۱۶)۔

(10) *Did Jesus the Christ Live?*

"کیا حضرت مسیح زندہ رہے" از مولانا محمد علی صاحب۔ (ماہنامہ "ریویو آف ریلیجنز" قادیان۔ ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۲۶ تا ۳۲۸، ستمبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۸۵ تا ۳۸۶)۔

۱۹۳۵ء میں حضرت میرزا صاحب کے ایک اور قابل مرید مفتی محمد صادق نے حضرت مسیحؑ کے مزار واقع سرینگر کے بارہ میں مزید تحقیقات کیں اور اسے "قبر مسیح" نامی کتاب کی شکل میں شائع کیا۔

صلیبی موت سے بچ نکلنے اور حضرت مسیحؑ کی کشمیر میں آمد اور وفات کے موضوع پر مندرجہ ذیل کتب میں بحث کی گئی ہے:

(۱) "عیسیٰ در کشمیر" مصنفہ محمد یوسف پشاوری، قادیان ۱۹۳۴ء۔

(2) *Where did Jesus Die?*
"حضرت عیسیٰ کہاں فوت ہوئے" مصنفہ جلال الدین شمس، قادیان، ۱۹۴۵ء۔

(3) *The Tomb of Jesus*
"حضرت عیسیٰ کا مقبرہ" مصنفہ صوفی مطیع الرحمٰن بنگالی، قادیان، ۱۹۴۶ء۔

(4) *History of the Prophets*
"تاریخ انبیاء" مصنفہ مولانا محمد علی صاحب باب ۱۹ بعنوان "یسوع مسیح"۔ لاہور، ۱۹۴۶ء۔

(5) *The Life of Ahmad*
"سوانح احمد" مصنفہ عبدالرحیم درد، باب ۶۵ بعنوان "مسیح ہندوستان میں" لاہور، ۱۹۴۸ء۔

(6) *Jesus in Kashmir*
"عیسیٰ کشمیر میں"۔ ربوہ ۱۹۵۲ء

حضرت میرزا صاحب کی عالمانہ نگارشات اور بعد ازاں ان کے ممتاز عقیدت مند علماء مریدوں کی تحقیقات میں اس بات کے شواہد پیش کئے گئے کہ سرینگر میں جو مقبرہ یوز آسف کے نام سے مشہور ہے وہ در اصل حضرت عیسیٰ کا ہی مقبرہ ہے۔ ٹھوس حقائق اور تاریخی شواہد پر مبنی اس نظریہ نے عیسائی حلقوں میں اس قدر دلچسپی پیدا کردی کہ ۱۹۳۹ء میں لارڈ ارون، وائسرائے ہند بذات خود سرینگر اس مقبرہ کو دیکھنے تشریف لے گئے۔

اس صدی کے چوتھے عشرہ کے اوائل میں الحاج خواجہ نذیر احمد صاحب، بار ایٹ لاء، فرزند رشید حضرت خواجہ کمال الدین صاحب (جو کہ مغرب میں اسلام کے اولین مبلغ اور ووکنگ مسلم مشن، انگلستان کے بانی تھے) نے اس بارے میں سات سال کی محنت شاقہ، گہرے مطالعہ اور تحقیق کے بعد زیادہ مبسوط اور دستاویزی ثبوت اکٹھے کئے کہ مقبرہ یوز آسف یا "شہزادہ نبی" دراصل حضرت عیسیٰ کا ہی مقبرہ ہے۔

انہوں نے نہ صرف کشمیریوں اور فلسطینی یہودیوں کے درمیان ثقافتی، تاریخی، نسلی، لسانی اور مذہبی ہم آہنگی اور مماثلت کو ثابت کر دکھایا بلکہ حضرت مسیحؑ کے مقبرہ کے بارہ میں ناقابل تردید شواہد اور دستاویزات بھی حاصل کیں۔ انہوں نے انکشاف کیا کہ حضرت عیسیٰؑ اپنے حواری یہوداتوما کے ہمراہ ٹیکسلا آئے تھے۔ حضرت مریم حضرت مسیحؑ کے ہمراہ کشمیر جاتے ہوئے راستہ میں مری کے مقام پر وفات پا گئیں جہاں ان کا مقبرہ "مائی میری دا استھان" کے نام سے اب تک موجود ہے۔ اس سلسلہ میں خواجہ نذیر احمد صاحب نے سینکڑوں کتب اور درجنوں دستاویزات کا مطالعہ کیا اور کشمیر کا وسیع پیمانہ پر دورہ کیا۔ اگست ۱۹۴۵ء میں انہوں نے ماہنامہ "اسلامک ریویو" میں سلسلہ وار مضامین "عیسیٰ ابن مریم" (Jesus son of Mary) کے عنوان سے لکھنا شروع کئے۔ یہ سلسلہ نومبر ۱۹۴۸ء تک جاری رہا۔ بالآخر اُن کی انگریزی کتاب (Jesus in Heaven on Earth) "عیسیٰ جنت ارضی پر" ۱۹۵۲ء میں منظر عام پر آئی۔ اس کتاب میں ان کے بارہ میں انتہائی ناقابل تردید تحقیق، نایاب تصاویر اور نقشے شامل ہیں اور انتہائی قابل قدر شواہد مہیا کئے گئے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ آخر کار کشمیر میں جاکر آباد ہو گئے تھے جہاں انہوں نے ۱۲۵ سال کی عمر تک وعظ کیا اور وہیں وفات پائی اور محلہ خانیار سرینگر میں دفن ہوئے۔ اس کتاب کے اب تک پانچ ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

۱۹۵۳ء میں صوبہ پنجاب (پاکستان) کی حکومت نے اس کتاب کو ضبط کر لیا۔ ۷ مارچ ۱۹۵۶ء کو پاکستان کی سپریم کورٹ نے کتاب کی ضبطی کے خلاف مصنف کی اپیل منظور کرلی اور اسی سال اس کا تیسرا ایڈیشن لاہور سے شائع ہوا۔ چوتھا ایڈیشن لاہور سے ہی ۱۹۶۴ء میں ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ نے ہی اس کو شائع کیا۔ ٹرسٹ مدت تک مالی مشکلات کی وجہ سے اس کو شائع نہ کر سکی۔ ۱۹۸۶ء میں بمبئی کے محترم عبدالرزاق صاحب نے اپنے وسائل سے مکتبہ اشاعت کتب اسلامیہ کی طرف سے اس کا پانچواں ایڈیشن شائع کیا۔ اس ایڈیشن میں انہوں نے بڑی محنت سے حضرت مریم کی قبر کی تازہ تصویر۔ وفات مسیح پر الازہر یونیورسٹی کے ایک سابق ریکٹر علامہ محمود شلتوت کے فتوے کا انگریزی ترجمہ بمع عربی متن، ناصر احمد صاحب بی اے، ایل ایل بی خلف الرشید مولانا آفتاب الدین احمد، سابق امام مسجد، ووکنگ و ایڈیٹر "اسلامک ریویو" کے مرتب کردہ اس موضوع پر تاریخی جائزہ اور محمد اسد مترجم قرآن جمعہ انگریزی کا اس بارے میں تفسیر اور مغرب کے معروف محققین کی کتب اور مضامین کا خلاصہ اور دیگر انکشافات کو شامل کیا۔

یہ نہایت خوش کن امر ہے کہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور، اوہایو، یو ایس اے نے ۱۹۹۸ء میں اس کا نہایت ہی خوبصورت نیا ایڈیشن شائع کیا ہے جو ہر لحاظ سے قابل ستائش ہے۔ اس ایڈیشن کا پیش لفظ نوٹنگھم، انگلستان کے ڈاکٹر زاہد عزیز صاحب نے لکھا ہے۔ اس ایڈیشن کی کمپوزنگ اور طباعت کے سلسلہ میں امریکہ احمدیہ انجمن کی محترمہ ثمینہ ساہو خان اور ڈاکٹر نعمان الٰہی شکریہ کے مستحق ہیں جنہوں نے اس کی طباعت اور ٹائٹل کے ڈیزائن وغیرہ میں بڑی محنت اور جانفشانی سے کام کیا اور ایبٹ آباد کے نوجوان ڈاکٹر مجاہد سعید بھی جنہوں نے اس کتاب کا کافی حصہ کمپیوٹر پر کمپوز کیا۔

ایک معروف صحافی جناب عبدالعزیز کشمیری صاحب، ایڈیٹر ہفتہ وار "روشنی" سرینگر، جو اب روزنامہ ہو چکا ہے، خواجہ نذیر احمد صاحب مؤلف "جیسز ان ہیون آن ارتھ" کے ہمراہ پاکستان کے وجود میں آنے سے پیشتر موخر الذکر کے تحقیقاتی دورہ کے دوران کشمیر کے مختلف مقامات تک تحقیق کی غرض سے گئے۔ جناب عزیز کشمیری صاحب نے خواجہ نذیر احمد صاحب کی واپسی کے بعد اس موضوع پر مزید حقائق اور شواہد دریافت کرنے کے لئے اپنی کوششوں کو جاری رکھا اور کشمیر کے دور افتادہ مقامات تک گئے۔ انہوں نے اپنی محنت کا نچوڑ ہفتہ وار "روشنی" کے ایک خصوصی نمبر میں ۱۹۵۳ء میں شائع کیا۔

مئی ۱۹۵۸ء میں معروف عالم، مذہبی رہنما اور مصنف جناب ریورنڈ ڈاکٹر چارلس فرانسس پوٹر نے کتاب "مسیح کے گم شدہ سالوں کے متعلق انکشاف" (The Lost Years of Jesus Revealed) لکھی۔ یہ کتاب امریکہ کے فاسیٹ پبلیکیشنز نے طلائی تمغہ حاصل کرنے والی کتاب کے طور پر شائع کیا۔ اس میں بحر مردار کے صحائف (Dead Sea Scrolls) کی تازہ ترین تحقیقات اور انکشافات کی تفصیل دی گئی ہے جن کا تعلق حضرت مسیحؑ کے ان ۱۸ سالوں کی زندگی سے ہے جو ۱۲ سے ۳۰ سال کی عمر پر محیط ہے۔ جن کو عیسائی تاریخ میں "۱۸ خاموش سال" کا نام دیا گیا ہے۔ مؤلف نے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ان "نامعلوم سالوں" کے دوران حضرت مسیحؑ اسینی درسگاہ (Essene School) میں بدھ مت کا گہرا مطالعہ اور بحث و تمحیص میں مصروف رہے اور اسی لئے حضرت مسیحؑ کے اصولوں اور ذخیرہ الفاظ اور اسینی فرقہ کے لوگوں اور اُن کے "نیک راہ دکھلانے والے استاد" (Teacher of Righteousness) کے اصولوں اور الفاظ کے مجموعہ کے درمیان حیرت انگیز مماثلت پائی جاتی ہے۔ یہ استاد غالباً حضرت مسیحؑ کی پیدائش سے ایک سو سال پیشتر صلیب پر لٹکایا گیا تھا۔

یہ موضوع اس قدر گہری دلچسپی اور اہمیت کا حامل ثابت ہوا ہے کہ کوئی سال خالی نہیں جاتا جس میں کوئی نہ کوئی نئی کتاب یا مقالہ اس موضوع پر شائع نہ ہو۔ ان میں سے چند ایک کا ذکر درج ذیل ہیں:

۱۔ "مرقس کا آخری ورق" مصنفہ شیخ عبدالقادر، ربوہ ستمبر ۱۹۵۹ء
یہ صفحہ اب مرقس کی انجیل سے حذف کر دیا گیا ہے۔ اس کی عبارت یوں ہے:

> "وہ تمام باتیں جو کہ پطرس کے ہمراہیوں کو مختصراً بتائی گئی تھیں وہ دور تک پھیل گئیں اور اس کے بعد یسوع خود مشرق کی طرف سے ظاہر ہوا اور مغرب تک اس نے لوگوں کے ذریعہ اس مقدس اور غیر تحریف شدہ ابدی نجات کی تعلیم کو پہنچایا"

(*Canon and Text of the New Testament*, C.R. Cregary, p.511)

۲۔ "صحیفہ قمران" مولفہ شیخ عبدالقادر، لاہور، ۱۹۶۰ء

۳۔ *Islam and Christianity* "اسلام اور عیسائیت" مؤلفہ مسز الفت عزیز الصمد، باب ہفتم "مسیح کی وفات" (The Death of Jesus)۔ لاہور ۱۹۶۰ء

۴۔ "ایک نئی انجیل کا انکشاف" (قبطی انجیل) مؤلفہ شیخ عبدالقادر۔ لاہور، ۱۹۶۰ء۔

۵۔ "اصحاب کہف کے صحیفے" مؤلفہ شیخ عبدالقادر۔ لاہور، ۱۹۶۰ء۔
یہ انجیل حضرت مسیحؑ کے توام بھائی سینٹ یہودا توما نے مرتب کی تھی۔

اکتوبر ۱۹۶۷ء میں چوہدری محمد ظفر اللہ خان، جج عالمی عدالت انصاف، نے ٹورونٹو، کینیڈا میں ایک تقریر کے دوران بیان دیا کہ حضرت مسیحؑ صلیب پر فوت نہیں ہوئے تھے بلکہ بے ہوش ہو گئے تھے اور بعد ازاں فلسطین سے کشمیر ہجرت کر گئے اور سرینگر کشمیر میں مدفون ہیں۔ یہ اعلان بین الاقوامی پریس کی دلچسپی کا باعث بنا اور یورپ و امریکہ کے سرکردہ اخباروں کے نمائندوں نے جناب عبدالعزیز شوریٰ، ایڈیٹر "روشنی" سرینگر، کشمیر سے حقائق کی تصدیق کرنے کے بارہ میں رابطہ کیا۔

نومبر ۱۹۶۷ء مسٹر جے این راتھو نمائندہ "ڈیلی ٹیلیگراف" لندن و

"نیویارک ٹائمز"۔ خواجہ ثناء اللہ بٹ، ایڈیٹر روزنامہ "انقلاب" سرینگر، حکیم غلام محی الدین، سیکرٹری اوقاف اسلامیہ، سرینگر، زور محمد رشید الدین، مفتی اعظم کشمیر، عبدالعزیز شوریٰ صاحب کے ہمراہ مقبرہ یوز آسف دیکھنے گئے۔ انہوں نے عمارت کا معائنہ کیا اور وہاں کے مقامی لوگوں کی گواہیاں اکٹھی کیں جنہوں نے بیک زبان بتایا کہ یہ مقبرہ یوز آسف نبی کا ہے جو راجہ گوپانند کے دور حکومت میں کشمیر آیا تھا۔ مفتی رشید الدین صاحب اس بات سے اس قدر متاثر ہوئے کہ انہوں نے اس مقبرہ میں نفل نماز ادا کی۔

قرآن کریم اور دوسرے تاریخی شواہد کی روشنی میں حضرت مریم کے حالات زندگی کے بارے میں ایک کتاب بعنوان "حضرت مریم بنت عمران" شیخ عبدالقادر صاحب نے لاہور میں ۱۹۷۱ء میں لکھی۔ یہ ۳۰۰ صفحات پر مشتمل ہے اور تاحال مسودہ کی شکل میں ہے۔

اسی مصنف نے ماہنامہ "فرقان" (ربوہ، فروری، مارچ ۱۹۷۱ء) میں ایک مقالہ بعنوان "عیسیٰ" کا کنعان سے ہندوستان کا سفر" "Jesus' Travels from Can'an to India" لکھا۔ اس میں ایک شخص اپولونیس Appolonius ساکن تیانہ (Tayana) جو حضرت مسیح کا ہم عصر تھا، کی سوانح حیات کو موضوع سخن بنایا گیا ہے۔ یہ سوانح حیات فلاس ٹراٹاس Philostratus نے مرتب کی اور کتاب "لائف آف اپولونیس" (Life of Appolonius) میں ۲۱۶ء میں شائع کئے۔ اس ولی کے حالات زندگی، اس کی تعلیمات، اس کا بیماروں کو شفایاب کرنا، بلاد مشرق کی جانب سفر وغیرہ بالکل حضرت مسیح کے حالات کی مانند ہیں۔

۱۹۱۲ء میں مسٹر جے ایم رابرٹس نے اپنی کتاب "قدیم عہد کا انکشاف" Antiquity Unveiled (شائع کردہ اورینٹل پبلشنگ کمپنی، فلاڈلفیا، یو ایس اے) میں یہ نظریہ پیش کیا کہ تاریخی عیسیٰ اگر کہیں مل بھی گیا تو یہی شخص تیانہ اپولونیس ہی ہو گا!

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسیح کے صلیبی موت سے بچ نکلنے اور ان کے بعد ازاں بلاد مشرق کی طرف سفر کے بارے میں اصلی حقائق، تیسری صدی عیسوی تک اچھی طرح معروف و مشہور تھے اور ان حقائق کو مسخ کرنے اور مسیح کی شخصیت کے گرد تقدس اور مافوق الفطرت عناصر کا جو ہالہ تھا اسے تحلیل کرنے کے لئے یہ حقائق جان بوجھ کر ایک عام شخص "اپولونیس" کی طرف منسوب کئے گئے۔

مگر ۱۹۷۰ء میں ایک اور کتاب "مشرق قدیم میں ایک خلائی شخص" Spaceman in the Ancient East مولفہ ڈبلیو ریمانڈ ڈریک منظر عام پر آئی جس میں یہ نظریہ پیش کیا گیا کہ اپولونیس کی سوانح حیات دراصل مسیح کی سوانح حیات ہے۔ مؤلف اس کا خلاصہ یوں پیش کرتا ہے:

"کچھ مذہبی علماء حضرت عیسیٰ نامی شخص کی حقیقت تسلیم کرتے ہوئے بایں ہمہ یقین رکھتے ہیں کہ وہ ایک نیک یہودی، محب وطن اور رومن حکومت کے خلاف مزاحمتی تحریک کا سرگرم قومی رہنما تھا اسی وجہ سے اس کو صلیب دی گئی! کچھ لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ حضرت مسیح صلیب سے بچ نکلے تھے۔ اور انہوں نے روم میں رہائش اختیار کر لی اور پھر ہندوستان میں فوت ہوئے۔ نہایت مدلل دلائل اور حقائق سے ثابت ہوتا ہے کہ مسیح ہی اپولونیس آف تیانا تھا، وہ عظیم استاد جو کہ انیس سو سال قبل تمام معلوم دنیا میں گھومتا پھرا، معجزے دکھائے، بیماروں کو شفا بخشی، مردوں کو زندگی بخشی اور جس کے نام پر شاہنشاہوں نے ہیکل تعمیر کروائے اور جسے بطور خدا پوجا گیا!" صہ ۱۸

اس موضوع پر وسیع پیمانے پر نہایت حیران کن اور دلچسپ مزید تحقیق ہوتی رہی اور ۱۹۷۳ء میں شیخ عبدالقادر صاحب نے ایک مقالہ بعنوان "بھاوشیہ مہا پرانا" لکھی جو کہ ماہانہ رسالہ الفرقان (فروری ۱۹۷۳ء) میں شائع ہوا۔ اس میں اصلی عبارت کی عکسی تصویر بمع انگریزی ترجمہ شامل تھی۔ "پرانا" کا مطلب ہے "قدیمی تاریخ"۔ یہ ۱۸ جلدوں پر مشتمل ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ ہندو رشی مہارشی ویدویاس جی نے مرتب کی تھی اور ہندو اسے مقدس سمجھتے ہیں۔ یہ کتاب پہلی دفعہ بحکم جناب عزت مآب مہاراجہ سر پرتاپ سنگھ آف کشمیر ۱۹۱۰ء میں بمبئی سے شائع ہوئی۔ پروفیسر ڈی ڈی کوسامبی جن کا تعلق ٹاٹا انسٹیٹیوٹ آف فنڈامنٹل ریسرچ سے ہے۔ اس کتاب کے متعلق کہتے ہیں: "اس کا کچھ حصہ ایسے قدیمی ماخذوں سے حاصل کیا گیا ہو گا جو اب ناپید ہو چکے ہیں!"

اس سلسلہ وار تصنیف کی نویں جلد کا نام "بھاوشیا مہاپرانا" ہے جس کا مطلب ہے "مستقبل کے بارہ میں پیشگوئیوں پر مشتمل قدیم دستاویز"۔ اس میں دوسری صدی عیسوی اور اس کے بعد کے زمانہ سے متعلق پیشگوئیاں اور اس سے متعلق واقعات کو بعد میں شامل کیا گیا ہے اس جلد میں مسیح کی کشمیر میں آمد اور یہودی قبیلوں کے وہاں بس جانے کا ذکر کیا گیا ہے (بحوالہ بھاوشیہ مہا پرانا۔ صفحہ ۲۸۳۔ پاروا (باب) III، ادھیا (فصل) ۲ شلوکا (آیات) ۹ تا ۳۱)۔

بعد ازاں ۱۹۷۲ء میں شیخ عبدالقادر صاحب نے ایک نیا کتابچہ بعنوان

"مسیح مشرق میں" شائع کیا۔ یہ ربوہ سے ماہ ستمبر میں نکلا۔ اس کے بعد ایک مقالہ "مقبرہ یوز آسف کا تاریخی پس منظر" شائع ہوا جو کہ ربوہ کے روزنامہ "الفضل" کی ۱۱ اور ۱۳ جولائی ۱۹۷۳ء کی اشاعتوں میں شائع ہوا۔

بین الاقوامی نمائندوں کی دلچسپی کے باعث جناب عبدالعزیز شوریٰ صاحب کو ضرورت محسوس ہوئی کہ وہ اپنے اخبار ہفتہ وار "روشنی" کے اس بارے میں خصوصی نمبر کا انگریزی ترجمہ شائع کریں۔ چنانچہ ۱۹۷۳ء میں اُن کی مختصر مگر پر از معلومات کتاب Christ in Kashmir ("مسیح" کشمیر میں) شائع ہوئی۔ اس کا نظرثانی شدہ ایڈیشن ۱۹۸۸ء میں شائع ہوا اور پھر ۱۹۹۸ء میں اس کا چھٹا ایڈیشن شائع ہوا جس میں بی بی سی ٹیلیویژن کے اس موضوع پر دو پروگرام "حضرت مسیحؑ کون تھے" اور "دنیا کے نجات دہندہ سے پہلے حضرت مسیحؑ کیا تھے" کا ذکر کیا گیا ہے۔

۱۹۷۳ء میں ہی ایک اور دلچسپ اور خوبصورت کتاب بعنوان The Crumbling of the Cross "کسر صلیب" مؤلفہ جناب ممتاز احمد فاروقی صاحب منظر عام پر آئی جسے احمدیہ انجمن اشاعت اسلام، لاہور نے شائع کیا۔ یہ زیادہ تر خواجہ نذیر احمد صاحب کی کتاب "جیسز ان ہیون آن ارتھ" "مسیحؑ جنت ارضی پر" کا خلاصہ ہے!۔ اس کے علاوہ اس میں اٹلی کے شہر ٹیورن کے ایک چرچ میں پائے جانے والے "مقدس کفن" کے بارے میں تاریخی اور سائنسی تحقیق کے جائزہ کی تفصیل بھی درج ہے جو Jesus Nicht am Kreuz Gestorben (یسوع مسیح صلیب پر فوت نہیں ہوئے تھے!) کتاب میں جرمن صحافی کرٹ برنا نے مرتب اور مدون کی اور جس میں اس سلسلہ میں پوپ کے ساتھ خط و کتابت کے حوالے بھی دیئے گئے ہیں۔ جناب ممتاز احمد فاروقی صاحب نے نہایت محنت اور کاوش سے حضرت مریم کے مقبرہ واقع مری (پاکستان) کے متعلق حقائق و شواہد اور دستاویزی ثبوت پیش بھی کئے ہیں۔ پہلے یہ کتاب اردو میں بعنوان "کسر صلیب" شائع ہوئی تھی بعد میں مصنف نے اس کا انگریزی ترجمہ شائع کیا۔

حضرت میرزا غلام احمد صاحب، بانی تحریک احمدیت فی الاسلام کا یہ دعویٰ جو انہوں نے ۱۸۹۰ء میں کیا کہ حضرت مسیحؑ صلیب پر فوت نہیں ہوئے بلکہ بیہوش ہو گئے تھے اور انہیں صلیب سے اتار لیا گیا تھا اور یہ کہ ان کے حواریوں نے اُن کی دیکھ بھال کی اور زخموں کا علاج کیا اور وہ صحت یاب ہو کر فلسطین سے ہجرت کر گئے تھے۔ یہ انکشافات اور حقائق اب مغربی سکالرز اور طبی ماہرین میں مقبول ہونا شروع ہو گئے ہیں۔ ۱۹۰۲ء میں بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے اپنی عربی کتاب "الھدیٰ" میں اپنے اس محکم یقین کو کہ وہ مقبرہ جو سرینگر میں واقع ہے دراصل حضرت مسیحؑ ہی کا ہے، بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

> "اگر یہ قبر کھولی جائے تو یقینی طور پر کئی ایسے شواہد اور ثبوت جو کہ آج معلوم نہیں مہیا ہوں گے! میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ ایسا ہو جائے تاکہ وہ لوگ جو سچائی کو جھٹلاتے ہیں ختم ہو جائیں" (الھدیٰ، قادیان ۱۹۰۲ء)

جموں اور کشمیر کے محکمہ آثار قدیمہ کے ڈائریکٹر فدا حسنین صاحب نے جب اس قبر کی کھدائی کے متعلق حکومت سے استدعا کی تاکہ حقائق کھل کر سامنے آجائیں تو اس استدعا کو ٹھکرا دیا گیا۔

اس موضوع پر ایک اور عمدہ کتاب سرینگر کے جناب محمد یٰسین صاحب ایم اے۔ ایل ایل بی کی Mystries of Kashmir (کشمیر کے اسرار) ہے جو ۱۹۷۲ء میں شائع ہوئی۔ مصنف دیباچہ میں لکھتا ہے کہ یہ خیال سب سے پہلے ۱۸۹۹ء میں بانیٔ سلسلہ احمدیہ حضرت میرزا غلام احمد قادیانی نے پیش کیا تھا مگر بدقسمتی سے بجائے اس کے کہ اس پر مزید غیر جانبدارانہ تحقیق کی جاتی، یہ ایک مذہبی بحث اور جھگڑے کا باعث بن گیا۔ مؤلف مسلمانوں کی جانب سے حضرت میرزا غلام احمد صاحب کی اس خالص تاریخی تحقیق کی قدردانی نہ ہونے کو ایک تاریخی گناہ سمجھتا ہے!! مصنف کی وفات کے بعد ان کی بیوی مدھاوی یٰسین نے ۱۹۹۶ء میں اس کا نظرثانی شدہ ایڈیشن شائع کیا جس میں انہوں نے کشمیر کی قدیم و جدید تاریخی واقعات اور حالات سے متعلق اپنے تحقیقی مضامین کو بھی شامل کیا۔ کتاب کے اس ایڈیشن کا دیباچہ کشمیر کے سابق گورنر ڈاکٹر کرن سنگھ نے لکھا ہے۔

اس کتاب میں لداخ کی سماجی اور مذہبی تاریخ اور کشمیر میں بدھ مت کے اہم مراکز پر تحقیقی معلومات کو بھی شامل کیا گیا ہے۔

۱۹۷۶ء میں جرمن نژاد ہسپانوی صحافی انڈریاس فیبر قیصر نے ایک بڑی دلچسپ کتاب "حضرت عیسیٰؑ کشمیر میں فوت ہوئے" Jesus Died in Kashmir ہسپانوی زبان میں لکھی اور اس کا ترجمہ انگریزی میں ۱۹۷۷ء میں گورڈن اینڈ کریمونیسی لیمیٹڈ، لندن نے شائع کیا۔ اس کا اردو ترجمہ ناصر احمد صاحب بی اے۔ ایل ایل بی نے کیا جو ۱۹۸۶ء میں اورینٹل پبلشرز مانچسٹر، انگلستان نے دارالاشاعت کتب اسلامیہ، بمبئی کے توسط سے شائع ہوا۔ یہ کتاب حضرت عیسیٰؑ کے تیرہ اور انتیس سال کی عمر کے درمیان کے عرصہ کے حالات اور کارناموں اور اُن

کے کلوری (یروشلم کی فصیل کے قریب وہ جگہ جہاں حضرت مسیحؑ کو صلیب دیا گیا) میں صلیب پر آزمائش کے بعد ان کے مشرق وسطیٰ میں آباد گمشدہ اسرائیلی قبائل کے درمیان دعوت و تحریک کے بارے میں حقائق کو بے نقاب کرتی ہے۔ بعد میں وہ کشمیر میں رہائش پذیر ہوئے اور اس حقیقت کی تائید میں شواہد بھی درج ہیں کہ انہوں نے کافی لمبی عمر پائی، اپنی وفات سے پہلے شادی کی اور ان سے اولاد بھی ہوئی!

۱۹۸۳ء میں ایک جرمن نژاد مصنف اور محقق کی کتاب Jesus Lived in India (حضرت عیسیٰ ہندوستان میں رہائش پذیر رہے) جرمن زبان میں منظر عام پر آئی۔ یہ کتاب صرف جرمنی میں ہی سات بار شائع ہوئی جس سے جرمن جاننے والے قارئین میں اس کی مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہ کتاب بھی حضرت عیسیٰؑ کی صلیب کے واقعہ سے پہلے اور بعد کی زندگی کے متعلق بڑی تحقیق اور تفصیل سے روشنی ڈالتی ہے جس کا بالآخر اختتام سرینگر میں اُن کے مقبرہ کے بارہ میں ذکر پر ہوتا ہے۔ اس کتاب کا انگریزی ترجمہ ایلمنٹس بکس لمیٹڈ، لندن (Element Books Ltd. London) نے ۱۹۸۶ء میں شائع کیا۔ اس کتاب میں موضوع سے متعلق دیگر معلومات اور تحقیق کے دوران سب سے دلچسپ امر یہ ہے کہ کیوں حضرت مسیحؑ نے اوائل زندگی میں مصر سے ہندوستان کا سفر کیا اور یہی زندگی کا وہ عرصہ ہے جس کے متعلق بائبل اور تاریخ بظاہر خاموش نظر آتی ہیں۔

۱۹۸۴ء میں سمٹ یونیورسٹی پریس ملیبو، کیلیفورنیا Summit University Press, Malibu, Calif. نے ایک نہایت دلچسپ اور بہت ہی اہم کتاب The Last Years of Jesus (حضرت عیسیٰؑ کے آخری سال) شائع کی۔ یہ کتاب الزبتھ کلیئر پروفٹ نے مرتب کی ہے اور اس کتاب میں پہلی دفعہ ان چار چشم دید گواہوں کی گواہیوں کو اکٹھا کیا گیا ہے۔ جنہوں نے لداخ میں واقع ہمس کی بدھ خانقاہ میں پائی جانے والی بدھ مذہب کی نادر دستاویزات دیکھیں اور ان میں مندرجات کا مطالعہ کیا۔ یہ مسودے پہلی دفعہ روسی سیاح نکولاس نوٹووچ Nicholas Notovitch نے ۱۸۸۷ء میں دریافت کئے تھے۔ یہی مسودات سوامی ابھی نندا نے دوبارہ دریافت کئے اور انہوں نے ان "ہمس کے مسودات" (Himis Manuscript) کا بنگالی زبان میں ترجمہ ۱۹۲۹ء میں شائع کیا۔ ایک اور روسی سیاح نکولاس رورخ (Nicholai Roerich) نے انہی عبارات کو دوبارہ اپنی سفری ڈائری سفر ایشیا میں (۱۹۲۹ء) نقل کی ہیں اور ایک لامانے ہمس میں ۱۹۳۹ء میں میڈم الزبتھ کاسپری کو ایسا ہی ایک سیٹ صحیفوں کا ان الفاظ کے ساتھ تحفہ میں دیا: The Books Say your Jesus was here (یہ کتابیں کہتی ہیں کہ تمہارے عیسیٰؑ یہاں آئے تھے)

یہ کتاب ہمیں ان تاریخی روزناموں اور قدیم کہانیوں کے بارہ میں بڑی تفصیل سے بتاتی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ (جنہیں مشرق میں سینٹ عیسیٰ کہا جاتا تھا) نے اپنے فلسطینی مشن سے پہلے ہندوستان، نیپال، لداخ اور تبت میں اپنے فلسطینی مشن سے پہلے کیا کیا اور کیا کہا۔ یہ ایک بہت ہی اہم انکشاف ہے۔ جس نے جدید عیسائیت کی بنیادیں ہلا دیں۔

مندرجہ بالا مطبوعات کے مابعد کتاب The Fifth Gospel (پانچویں انجیل) منظر عام پر آئی جسے دستگیر پبلی کیشنز، سرینگر، کشمیر نے ۱۹۸۸ء میں شائع کیا۔ اس کتاب کو پروفیسر فدا حسنین (ریٹائرڈ ڈائریکٹر محکمہ سرکاری دستاویزات، آثار قدیمہ اور عجائب گھر، سرینگر) اور داہان لادی نے مل کر تالیف کیا۔ اس کتاب میں گذشتہ محققوں کی آراء پر نظر ثانی کی گئی ہے اور مؤلفین اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کالوری کے قبرستان کے قریب ہونے والے واقعہ صلیب سے بچ نکلنے کے بعد کئی مشرقی ممالک میں گئے اور بالآخر کشمیر میں جا آباد ہوئے جہاں وہ یوز آسف، بنی اسرائیل کے نبی کے طور پر مشہور ہیں۔

"جیسز ان ہیون آن ارتھ" کے چھٹے ایڈیشن کی اشاعت تک جو مزید معلومات اور حقائق کا انکشاف ہوا یا کتب شائع ہوئیں ان کا مختصر ذکر ذیل میں درج ہے:

۱۔ Jesus Died in Kashmir (عیسیٰ کشمیر میں فوت ہوئے) مؤلفہ اے فیبر قیصر A.Faber-Kaiser۔ پہلی بار انگلستان میں ۸۱/۱۹۸۲ء میں شائع ہوئی۔

۲۔ Holy Blood and Holy Grail (مقدس خون اور مقدس پیالہ) مؤلفہ مائیکل بے جنٹ رچرڈ لے اور ہنری لنکن، لندن، انگلستان سے ۱۹۸۲ء میں شائع ہوئی۔ اس بات کی طرف توجہ دلاتی ہے کہ یورپ میں ایک شاہی خاندان کی ایسی لڑی موجود ہے جو کہ حضرت عیسیٰؑ سے چلتی ہے۔

۳۔ ابتدائی عیسائی تاریخ کے بارہ میں یہودی عالم ہیوج جے شون فیلڈ نے متعدد کتابیں بشمول The Passover Plot (عید فسح کا منصوبہ) لکھی ہیں۔ اس کتاب میں مصنف نے اس حقیقت کے متعلق

دلائل دیئے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کے صلیب پر موت کی سزا سے بچ نکلنے کی توقع تھی اور انہیں صلیب سے زندہ اتارا گیا گو وہ بے ہوشی کی حالت میں تھے!

۴۔ برطانوی رسالہ The Unexplained (ناقابل بیان حقیقت) نے دو مقالے قسط وار ۱۹۸۳ء میں شائع کئے جو کہ حضرت عیسیٰؑ کے ہندوستان جانے کے موضوع پر تھے۔ ان میں سے ایک احمدیہ انجمن اشاعت اسلام، لاہور کے انگریزی ماہنامہ "دی لائٹ" میں دوبارہ شائع کیا گیا۔

۵۔ کتاب "حضرت مسیحؑ ایک زندہ شہادت" (Jesus: the Evidence) میں مصنف ولسن لکھتا ہے: اس پانچویں امکان کو کہ حضرت عیسیٰؑ صلیب پر فوت نہیں ہوئے بائبل قطعی طور پر خاطر میں نہیں لایا لیکن روشن خیال عیسائی لوگ حالیہ سالوں میں خاص طور پر اس کے قائل ہو رہے ہیں۔ کتاب The Passover Plot یعنی "عید فسح کا منصوبہ" میں ہیوج جے شون فیلڈ نے ایک انوکھا نظریہ پیش کیا ہے کہ جو اسفنج حضرت عیسیٰؑ کو صلیب پر پیش کیا گیا تھا (یوحنا ۱۹: ۲۹، ۳۰) وہ سرکہ میں نہیں بلکہ ایک خاص دوائی میں بھگویا گیا تھا جس سے موت جیسی حالت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ اس لئے کیا گیا تھا تاکہ یوسف آرمیتھیا ان کو مقبرہ تک لے جائے اور وہاں ہوش میں لے آئے۔ مگر رومی سپاہیوں کا حضرت عیسیٰؑ کے پہلو میں نیزہ گھونپنے کی وجہ سے ساری سازش ناکام ہو گئی۔ شون فیلڈ کے مطابق جس آدمی کو مریم مگدلینی نے دیکھا تھا وہ فقط کوئی ایسا شخص تھا جو حضرت عیسیٰؑ کو ہوش میں لانے کے کام میں مدد دینے کے لئے بھجوایا گیا تھا۔ اور "دوبارہ جی اٹھنے" "Resurrection" کا خیال لوگوں کی توجہ کو ان کی طرف سے ہٹانے اور بعد میں ان کو پہچاننے میں غلط فہمی پیدا کرنے کے لئے پیدا کیا گیا تھا۔ چنانچہ حضرت عیسیٰؑ کو گہری بے ہوشی کی حالت میں ایک کھلی قبر میں رکھ دیا گیا جو عام دفن کرنے کے طریق سے قطعی مختلف اور انوکھا تھا (جیسز: دی ایوی ڈنس، لندن ۱۹۸۴ء صفحہ ۱۴۰)

ولسن، اپنی کتاب "دی ہولی بلڈ اینڈ دی ہولی گریل" (مقدس خون اور مقدس پیالہ) کا ذکر کرنے کے بعد اسی صفحہ پر اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے کہتا ہے:

"آج کل کے احمدی مسلمانوں کا یہ دعویٰ کافی حد تک انوکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ صلیب کی موت سے بچ کر کشمیر تک پہنچنے میں کامیاب ہوئے اور سرینگر، کشمیر میں زائرین کو ایک روضہ دکھایا جاتا ہے جو کہ حضرت عیسیٰ کا مقبرہ بیان کیا جاتا ہے۔"

۶۔ اسینی کی رزمیہ نظم The Essene Odyssey ناشر (Element Books, Shaftesbury, Dorset'1984) میں ہیو جے شون فیلڈ کتاب کے دیباچہ میں لکھتا ہے:

"مشرقی ممالک کے قدیم ریکارڈ سے ایک نہایت راستباز استاد "جو آسف" یا "یوز آسف" کا پتہ چلتا ہے جس کو بعض علماء خصوصاً بانی تحریک احمدیہ اور ان کے محققین، حضرت عیسیٰ کہتے ہیں۔ اور یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ صلیب سے بچ نکلے اور انہوں نے بنی اسرائیل کے دس گم شدہ قبائل کو پیغام الٰہی پہنچانے کے لئے بلاد مشرق کا سفر اختیار کیا۔ یہ قبائل افغان اور کشمیریوں میں سے کچھ پر مشتمل سمجھے جاتے ہیں۔ اس "یوز آسف" شخص کا مقبرہ سرینگر، کشمیر میں بتاتے ہیں اور یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ یہی حضرت عیسیٰؑ کی آخری آرامگاہ ہے۔"

اس نظریہ پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور کئی ایک متبرک اور قابل احترام مشرقی تحریرات کے حوالے دیئے گئے ہیں جو میں نے احمدیہ تحریک کے تحقیق کرنے والے علماء کے حوالے سے اپنی کتاب میں درج کئے ہیں اور ان کا شکریہ بھی ادا کیا ہے۔ یہ نظریہ کہ حضرت عیسیٰ صلیب پر فوت نہیں ہوئے۔ اوائل میں قدیم عیسائی فرقہ کے عالموں نے بھی پیش کیا تھا۔ یہ فرقہ ایمان کی بجائے عرفان کو حقیقی نجات کا ذریعہ سمجھتا تھا اور حال ہی میں جدید تحقیق میں یہی حقیقت دوبارہ سامنے آئی ہے۔ اس میں زیادہ مضبوط اور مشہور "ٹیورن شراوڈ" (ٹیورن کے مقدس کفن) کا انکشاف اور اس کے متعلق تحقیق ہے۔ اور اس کفن کے بارہ میں دعویٰ کیا جاتا ہے کہ اس میں رواج کے مطابق حضرت عیسیٰ کے جسد کو لپیٹا گیا تھا اور ان کو معمول سے ہٹ کر ایک نہایت کھلی قبر میں رکھا گیا (صفحہ ۱۰)

یہی مصنف ان دستاویزات کے متعلق جو کہ "جیسز ان ہیون آن ارتھ" میں بطور حوالہ پیش کی گئی ہیں۔ لکھتا ہے:

"اگر محولہ بالا مستند ماخذوں کے لکھنے والے یوز آسف کے مقبرہ کو مشہور زمانہ عیسیٰؑ جو کہ اسلام میں ایک بلند مقام رکھتے ہیں، کے مقبرہ کے طور پر شناخت کرتے تو وہ ضرور اس قدر اہمیت کے حامل امر کا ذکر بھی کرتے مگر ان کی خاموشی بہت کچھ کہہ رہی ہے۔ یہ بات غیر متنازعہ ہے کہ یہ نظریہ انیسویں صدی کے اواخر میں سامنے آیا اور ہمیں اس بات کو بھی وزن دینا ہو گا کہ حضرت عیسیٰؑ کی سوانح حیات

اور تعلیمات کے قصے اور گوتم بدھ کی سوانح اور تعلیم کے قصے بلاد مشرق میں اوائل کی عیسائی صدیوں کے دوران اور عیسائی مشنریوں کی آمد کے بعد آپس میں گڈمڈ ہو گئے تھے۔ کچھ تمثیلات اور حکایتیں دونوں کی طرف منسوب کی جاتی ہیں۔ "برلام اور جو آسف کے قصے" کے پھیل جانے نے جو کردار ادا کیا ہے اس پر ہم خاص طور پر غور کرنے اور توجہ دینے پر مجبور ہیں۔"

"تاہم یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ پروفیسر ایف ایم حسنین جو محکمہ آثار قدیمہ، سرینگر کے سربراہ ہیں۔ کو مقبرہ میں ایک پتھر کے تختہ پر جو اس قبر کے کتبہ کے طور پر لگا ہوا تھا اور جس پر موم بتیاں جلائی جاتیں اور ان کا مواد پگھل کر جمتا رہتا اس میں سے ایک صلیب اور ایک تسبیح ملی ہے! خود پتھر کے اوپر کچھ نقوش کندہ تھے جو دو پاؤں کے تلے کی شکل کے تھے جن میں میخوں کے زخم کے نشانات تھے۔ یہ کندہ نقوش شاید اس غرض سے بنائے گئے ہوں کہ وہ گواہی دیں کہ صدہا برسوں کے دوران آنے والے زائرین میں عیسائی بھی تھے اور اس تناظر میں کہ "بارلام اور جو آسف" والی حکایت سے لوگ مانوس تھے جس میں کہ عیسائی روایت کی رو سے "جو آسف" کو عظیم عیسائی سینٹ کے طور پر پیش کیا گیا ہے اور جس کے نام پر کیلنڈر میں ایک مقدس دن بطور خاص مخصوص کیا گیا تھا۔ خود یہ تبرکات، صلیب اور تسبیح از منہ وسطیٰ سے پہلے کے نہیں ہو سکتے اور بلاشبہ کوئی بھی عیسائی جو حضرت عیسیٰ کو آسمان پر لے جاتا ہے اس کے لئے مشکل ہے کہ وہ اس خیال کو اپنائے کہ اُن کا جسد سرینگر میں دفن ہے!" (صفحہ ۱۰۳-۱۰۲)

مندرجہ ذیل اہم کتب جو کہ (Sun-God) "سورج دیوتا" کے نظریہ سے متعلق ہیں: "جیسز ان ہیون آن ارتھ" کے پانچویں ایڈیشن کے بعد شائع ہوئی ہیں۔

۱۔ Jesus the Jew (حضرت عیسیٰ ایک یہودی تھے!) مصنفہ گیزمیز، لندن، ۱۹۷۳ء

۲۔ *The Myth of God Incarnate* (خدا کا ظہور انسانی شکل میں کا فرضی قصہ) مصنفہ جان ہک، لندن، ۱۹۷۷ء

۳۔ *Gospel of Jesus the Jew* (حضرت عیسیٰ یہودی کی انجیل) مصنفہ گیزا ورمیز، نیو کاسل اپون ٹائن، انگلستان ۱۹۸۱ء

مندرجہ بالا کتاب Jesus in Heaven on Earth کے مصنف خواجہ نذیر احمد صاحب باب پنجم میں بیان کردہ دلائل کی بھرپور تائید کرتی ہیں!

A Searh for the Historical Jesus یعنی "تاریخی مسیح کی تلاش" انگلستان سے ہی ۱۹۹۴ء میں شائع ہوئی ہے جو اس لحاظ سے ایک خاص اہمیت کی حامل ہے کہ اس کا مصنف ایک مسلمان محقق پروفیسر فدا حسنین ہیں جو ریاست جموں اور کشمیر کے آثار قدیمہ کے ڈائریکٹر رہ چکے ہیں اور جنھوں نے لداخ میں حضرت مسیحؑ سے متعلق بدھ لاموں کے دستاویزات پر کافی تحقیقی کام کیا ہے۔ اس کتاب کی اہمیت ایک تو اس لحاظ سے ہے کہ مصنف نے اس میں حضرت مسیحؑ کے حالات زندگی، واقعہ صلیب اور اس سے بچ نکلنے، ان کے مشرق کی طرف سفر اور کشمیر اور شمالی علاقہ جات میں قدیم بدھ دستاویزات میں ان کے ذکر سے متعلق جتنی اہم کتب اور حوالہ جات ہیں ان کو ذرا تفصیل اور بڑی احتیاط کے ساتھ اکٹھا کر دیا ہے۔ اس کے علاوہ ٹیورن، اٹلی میں موجود "مقدس کفن" جس میں صلیب سے اتارنے کے بعد حضرت مسیحؑ کو لپیٹا گیا تھا اس کی تفصیلات اور پھر اس میں سے ابھرنے والی تصویر کا رنگین عکس کتاب کے سرورق اور اندر بھی شائع کیا ہے۔ اور سب سے حیرت انگیز بات جو اس میں بیان کی گئی ہے اس پتھر کی تصویر اور تفصیلات ہیں جو حضرت مسیحؑ کی قبر کے قریب، زمانہ قدیم سے آویزاں تھا اور جس پر زائرین عقیدتمند موم بتی جلاتے تھے اور جلتی ہوئی موم بتیوں کی پگھلتی ہوئی موم نے اس پر تہہ در تہہ جما رکھی تھی۔ جب اس کو کھرچا گیا تو اس پتھر پر دو پیروں کے نشان کندہ نظر آئے جن پر میخ ٹھونکنے سے آنے والے زخموں کو دکھایا گیا تھا۔ ایک رنگ میں اس میں اس تاریخی واقعہ کی طرف یہ واضح اشارہ موجود تھا کہ اس قبر میں مدفون کوئی اہم شخصیت ہے جس کو صلیب دیا گیا تھا۔

اس کتاب میں مصنف نے بدھ مت سے متعلق قدیم دستاویزات اور حقائق کا بطور خاص ذکر کیا ہے۔ ان باتوں کو کتاب کے باب ۲۰ "بدھ مت اور عیسائیت" کے تحت درج کیا گیا ہے۔ اس باب میں مصنف نے ایک نہایت دلچسپ کتاب The Mysteries of the Times یعنی "زمانوں کے سربستہ راز" کا ذکر کیا ہے جو لندن سے ۱۸۸۷ء میں شائع ہوئی اور جس کا مصنف سر ولیم مونیر ہے۔ بدھ مت اور عیسائیت میں گہری مشابہت کا ذکر کرتے ہوئے۔ مصنف مذکورہ کتاب کا یہ حوالہ درج کرتا ہے کہ "بدھ مت مشرق کی عیسائیت ہے اور اس لحاظ سے (عملی اور اعتقادی رنگ میں) یہ عیسائیت زیادہ بہتر بدھ مت ہے جو مغرب میں مروج ہے" (ص ۵۴۱)

اس باب میں پروفیسر موصوف ان تمام حقائق اور دلائل کا ذکر کرتے

ہیں جن کا بیان بانی سلسلہ احمدیہ نے اپنی کتاب "مسیح ہندوستان میں" ۱۹۰۸ء میں کر چکے ہیں لیکن موصوف نے اس سلسلہ میں نئی تحقیق اور کئی نایاب حوالوں کا اضافہ بھی کیا ہے۔

پھر یہ بھی لکھا ہے:

"کہ میں انتہائی ناشکر گزار ہوں گا اگر میں اس بات کا ذکر نہ کروں کہ یہ حضرت مرزا غلام احمد کا تحقیقی مقالہ ہی تھا جس نے مجھے مجبور کیا کہ میں حضرت مسیحؑ کی زندگی اور ان کے کارناموں کے بارے میں بدھ دستاویزات پر تحقیق کروں۔ اس نہایت قابل کالم نے اپنے مقالہ میں عیسائیت اور بدھ مذہب میں مماثلت کے بارے میں نہایت خیال انگیز نظریات پیش کئے ہیں۔ انہوں نے اس بات کی بھی نشاندہی کی ہے کہ حضرت مسیحؑ اور حضرت بدھؑ دونوں کو شیطان نے ورغلانے کی کوشش کی۔ دونوں نے وعظ و نصیحت میں تمثیلات کا استعمال کیا۔ دونوں کے القابات اور تعلیمات بھی ملتی جلتی ہیں حتیٰ کہ ان کی کئی تمثیلات بالکل ایک جیسی ہیں۔ دونوں ایک ہی قسم کا دعویٰ کرتے ہیں کہ میں ہی نور ہوں اور میں ہی ہدایت ہوں" (ص ۲۰۹)

اس کتاب کے شائع ہونے کے ایک سال بعد ہی یعنی ۱۹۹۵ء میں فرائن برگ یونیورسٹی کے فارغ التحصیل جرمن مصنف ہولگر کرسٹن اور ڈاکٹر ایلمر آر۔ گروبر نے مل کر عیسائیت اور بدھ مذہب کی مماثلت کے بارے میں گرانقدر تحقیقی تصنیف

The Original Jesus: The Buddhist Sources of Christianity.

یعنی "اصلی مسیح اور عیسائیت کے بدھ ماخذ" منظر عام پر آئی۔ اس کتاب کے دوسرے حصہ میں جس کو انہوں نے "مسیح بدھ تھے" کا عنوان دیا ہے۔ اس میں انہوں نے دونوں کے پیدائش، بچپن، جوانی، بعثت، تعلیمات، طرز خطابت اور مشکلات کے بارے میں مماثلت پر بڑی تفصیل سے بحث کی ہے اور حوالہ جات دیئے ہیں۔ پھر دونوں کی تمثیلات کا کئی پہلو سے موازنہ پیش کیا ہے۔ اس کے بعد مصنفین نے ایک اور نہایت دلچسپ باب باندھا ہے جس کو "اصلی مسیح کا طریق" کا عنوان دیا ہے۔ اس میں حضرت مسیحؑ کی صحیح تعلیمات کو آلائشوں سے پاک کر کے پیش کرنے کی کوشش کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ بدھ مت کا بہت زیادہ اثر ان کی تعلیمات میں پایا جاتا ہے۔

اس سلسلہ میں مصنف لکھتے ہیں۔

"عیسائیت اور عیسائیت کا موجودہ پیغام اس سے بالکل مختلف ہے جو حضرت مسیحؑ نے تعلیم کے رنگ میں اپنے پیروؤں کو دی تھی۔ اگر Q میں درج حضرت مسیحؑ کے اقوال کا علماء گہرا مطالعہ کریں تو صاف طور پر فرق ظاہر ہو جائے گا کہ حضرت مسیحؑ نے کیا کہنے کی کوشش کی تھی اور ان کے ماننے والوں نے تشہیر کرتے وقت ان کو کیا سے کیا بنا دیا۔ جب اضافوں، وضعی کہانیاں اور واقعات کی دبیز تہوں کو ہٹایا جائے اور امثال اور تمثیلوں کو صحیح رنگ میں سمجھا جائے تو حضرت مسیحؑ کی واضح اور شفاف تعلیم سامنے آ جائے گی اور وہ حقیقتاً بدھ مذہب ہو گی۔"

اور یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہو گی کہ حضرت عیسیٰؑ اور حضرت بدھؑ کی مماثلت کے بارے میں جو نظریہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے اپنی کتاب "مسیح ہندوستان میں" سات صفحات میں پیش کیا تھا۔ ہولگر کرسٹن اور ڈاکٹر گروبر نے اس نظریے کے مختلف پہلوؤں کو تفصیل سے بیان کرنے اور اس نظریہ کی صحت کو ثابت کرنے کے لئے ۲۴۷ صفحات لکھ دیئے۔

ذیل میں اس کتاب میں سے حضرت بدھؑ اور حضرت مسیحؑ کی چند تمثیلات کا تقابلی مطالعہ قارئین کی دلچسپی کے لئے پیش کیا جاتا ہے تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ حضرت مسیحؑ نے حضرت بدھؑ کی تمثیلات کو جب بیان کیا تو ان میں انہوں نے کس قدر بصیرت اور بلندی پیدا کر دی۔

حضرت بدھؑ

"جس نے نیکی اور بدی کا قانون سنا ہے وہ اس شخص کی طرح ہے جس کی آنکھیں ہیں اور اس نے ایک دیا اٹھایا ہوا ہے اور وہ ہر ایک چیز کو دیکھ رہا ہے اور اس طرح وہ ایک عقلمند انسان بن جائے گا۔"

حضرت مسیحؑ

"کوئی بھی ایسا نہیں جو دیئے کو جلا کر تنکوں کی ٹوکری کے نیچے رکھ دے بلکہ اسے ایک سٹینڈ پر رکھے گا اور گھر کے تمام افراد اس روشنی کو دیکھیں گے۔ جسم کا دیا آنکھیں ہیں۔ اگر تمہاری آنکھیں درست ہیں تو تمہارا سارا جسم روشنی سے بھر جائے گا لیکن اگر آنکھ ہی خراب ہے تو سارا جسم اندھیرے سے بھر جائے گا۔ اگر روشنی اندھیرا ہو گئی ہے تو یہ اندھیرا کتنا ہی گھمبیر ہے۔"

حضرت بدھؑ

"ایک راستہ دنیاوی فوائد کی طرف جاتا ہے اور دوسرا نروانہ یعنی نجات کی طرف۔ فقیر راہب جو بدھ کا شاگرد ہے اسے حکمت تلاش کرنی چاہئے نہ کہ دنیاوی عزت۔"

حضرت مسیحؑ

"کوئی شخص دو مالکوں کی فرمانبرداری نہیں کر سکتا۔ اسے یا تو ایک

سے نفرت کرنا پڑے گی اور دوسرے سے محبت۔ یا وہ ایک کا وفادار ہوگا اور دوسرے کو حقارت کی نگاہ سے دیکھے گا۔ تم بیک وقت خدا اور دولت دونوں کی خدمت نہیں کرسکتے۔"

حضرت بدھؑ

دنیا پر حکومت کرنے سے، آسمانوں پر حکومت کرنے سے اور تمام دنیا کے مظاہر پر حکومت سے بہتر، ہدایت کا راستہ ہے۔"

حضرت مسیحؑ

"آدمی کا کس میں فائدہ ہے۔ کیا اس میں کہ وہ ساری دنیا حاصل کرے اور اپنے آپ کو کھودے اور لوگوں سے دور ہو جائے۔"

حضرت مسیحؑ کے صلیب کی موت سے بچ نکلنے کے بارے میں نئی نئی علمی تحقیقات اور تاریخی شواہد مغرب میں اب ایک مسلمہ حقیقت بن کر سامنے آرہا ہے۔ اب نہ صرف اصلی مسیحؑ کی تلاش ہو رہی ہے بلکہ اس امر پر بھی نہایت سنجیدگی سے تحقیق ہو رہی ہے کہ وہ صلیب کی موت سے بچ کر کہاں گئے اور کس جگہ دفن ہوئے۔ اس سلسلہ کی پہلی نہایت دلچسپ کتاب کا نام ہے

The Tomb of God. The Body of Jesus and the Solution to a 2000-year- old Mystery.

یعنی "خدا کا مقبرہ اور حضرت مسیحؑ کا جسد خاکی میت اور دو ہزار سال پرانے سربستہ راز کا حل۔" رچرڈ اینڈریوز اور پال شیلن برگر کی یہ تصنیف ۱۹۹۶ء میں لٹل براؤن اینڈ کمپنی، انگلستان نے شائع کی۔ اس کی ضخامت ۵۱۳ صفحات ہے۔ کتاب کا نام "خدا کا مقبرہ" اس لحاظ سے نہایت دلچسپ ہے کیونکہ اس سے مغرب کی عیسائی دنیا کے اس ذہنی الجھن کا پتہ چلتا ہے کہ وہ ایک طرف تو وہ حضرت مسیحؑ کو خدا کا درجہ دیتے ہیں تو دوسری طرف ان تاریخی شواہد کی حقیقت سے بھی انکار نہیں کرسکتے کہ وہ بشر تھے اور ہر بشر کو موت سے مفر نہیں۔ اور یہ کہ بائبل اور تاریخی شواہد سے اب یہ امر یقینی ہو گیا ہے کہ حضرت مسیح صلیب کی لعنتی موت سے بچ گئے تھے اور پھر بھیس بدل کر مشرق کی طرف سفر کیا۔ اسی لئے اب ان کی قبر کی تلاش شروع ہو گئی ہے۔

کتاب مذکور میں لکھا ہے کہ مریم مگدلینی حضرت مسیحؑ کی بیوی تھیں اور حاملہ تھیں وہ فرانس کے ایک علاقہ رینیز لا چاٹو میں سکونت پذیر ہوئیں حالانکہ شواہد موجود ہیں کہ ان کی قبر کاشغر میں ہے اور پھر ان کی نسل چلی اور اس نسل کے لوگ اب بھی وہاں موجود ہیں۔ اس سلسلہ میں محققین نے مختلف قدیم تصاویر اور نقشہ جات کا گہرا مطالعہ کیا اور مختلف جغرافیائی اور جیومیٹری کے فارمولوں کے ذریعہ حضرت مسیحؑ کے خاندان کے افراد اور اس خاندان کی چھپی ہوئی دولت کا سراغ لگایا جارہا ہے اور ان کی قبر کی تلاش رہی ہے۔

ایک بات بڑی واضح طور پر سامنے آرہی ہے کہ مغرب کا روشن خیال ذہن اب اس تحقیق کی طرف چل پڑا ہے اور بہت سے ایسے حقائق سامنے آرہے ہیں جنہوں نے چرچ کے غلط عقائد اور رسومات کی اصل حقیقت کو بے نقاب کر دیا ہے۔ اگر خدا جس کا ذکر اس کتاب میں ہے مافوق الفطرت قوت کا مالک ہے تو پھر اس کی موت کیسی اور اس کی قبر کی تلاش کے کیا معنی ہیں۔ لیکن اگر یہ "خدا" بشر کے زمرہ میں شامل ہے جبکہ حقیقت بھی یہی ہے تو پھر اس کو ضرور موت آئی اور وہ کہیں دفن بھی ضرور ہوئے۔ تاریخی شواہد اور احمدیہ محققین نے تو ان کی قبر محلہ خانیار میں دریافت کرلی ہے اور مغربی اور مشرقی مورخ اور بائبل اور قرآن مجید کے علماء اس امر کی اصولی طور پر تصدیق کرنے لگے ہیں۔

بی بی سی ٹیلیویژن، لندن کے دو پروگراموں کے مکمل متن تو اس شمارے میں شائع کئے جارہے ہیں۔

ان کے علاوہ بھی اس کے مختلف چینلز پر حضرت مسیحؑ کے بارے میں پروگرام آتے رہتے ہیں۔ آئی ٹی وی پر Back to Bethlehem یعنی "بیت اللحم کی طرف لوٹئے" کے نام سے ایک پروگرام ۲۷ دسمبر ۱۹۹۸ء کو جناب "پال ہائی نے" نے پیش کیا۔ اس پروگرام کا مقصد یہ تھا کہ بیت اللحم کے اصل واقعات کی طرف واپس چلا جائے اور غور کیا جائے کہ حضرت مسیحؑ کی پیدائش کس کسمپرسی کی حالت میں ہوئی اور کیا یہ وجود میں آنے والی شخصیت ایک انسان کی تھی یا خدا۔ خدا تو اس طریق پر پیدا نہیں ہوتا۔ اور پھر ان کی اصل تعلیمات کا پتہ لگایا جائے اور دنیا سے انہیں روشناس کروایا جائے۔ بیت اللحم حضرت مسیحؑ کی جائے پیدائش ہے۔

جموں و کشمیر کے آثار قدیمہ کے سابق مسلمان ڈائریکٹر فدا حسنین کے بعد دوسرے بے باک مسلمان محقق اور مؤرخ جنہوں نے اس موضوع پر قلم اٹھایا وہ لاہور کے پندرہ روزہ رسالہ "تقاضے" کے مدیر محترم پیام شاہجہانپوری ہیں جنہوں نے اپنے چھوٹے سے فلیٹ میں تحقیق اور بے باک صحافت کی بساط سجا رکھی ہے۔ انہوں نے یکے بعد دیگرے اس موضوع پر چار تصنیفات شائع کی ہیں۔ ۱۹۹۱ء میں "مسیح کا سفر زندگی" (صفحات ۲۷۲)۔ ۱۹۹۲ء میں "مسیح کی گم شدہ زندگی" (صفحات ۲۰۰)۔ دسمبر ۱۹۹۳ء میں "مقام مسیح" (صفحات ۲۴۶) اور ۱۹۹۴ء میں سب سے اہم تحقیق وانکشاف

"مسیح کی ہندی انجیل" (صفحات ۱۵۰)۔ ایک مشہور عالم کتاب جوزف اور بارلام جو بظاہر نصیحت آمیز کہانیوں کا مجموعہ ہے جو حضرت بدھ کی طرف منسوب کی جاتی ہے۔ لیکن حقیقت میں یہ حضرت مسیح کے وہ اقوال اور وعظ ہیں جو انہوں نے اپنے سفر مشرق کے دوران میں اور پھر کشمیر میں قیام کے دوران فرمائے۔ پیام صاحب نے اس کتاب کی تاریخ پر بڑا خیال انگیز مواد اکٹھا کیا ہے۔ اس کتاب کا نام پیام صاحب نے "مسیح کی ہندی انجیل" رکھا ہے جو ہر لحاظ سے نہایت مناسب اور موزوں ہے۔ "مسیح اور یوز آسف" کے باب میں مصنف نے اس انجیل کا اجمالی تعارف کروایا ہے۔ اس باب کے چند اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔

کتاب کا اجمالی تعارف

دوسری صدی ہجری میں عباسی خلیفہ ابو جعفر المنصور کے زمانے میں سنسکرت کے اس نسخے سے عبداللہ ابن المقفع نے اس کا عربی میں ترجمہ کیا۔ دوسری رائے کے مطابق فارسی سے عربی میں ترجمہ ہوا۔ اس کا ایک عربی ایڈیشن بمبئی سے ۱۸۸۸-۱۸۸۹ء میں شائع ہوا تھا۔ یہ فاضل اسکالر یعنی کتاب کا عربی مترجم عبداللہ ابن المقفع خلیفہ ابو جعفر المنصور کے دربار سے وابستہ تھا۔ ہندوستان کے ایک فاضل سید عبدالغنی عظیم آبادی نے ۱۸۹۹ء میں اس کا عربی سے اردو میں ترجمہ کیا جو حیدر آباد دکن سے شائع ہوا جس کا نام ہے "کتاب بوذ اسف و بلوہر"۔ ظاہر ہے کہ "بوذاسف" دراصل "یوز آسف" کی بگڑی ہوئی شکل ہے اور کتاب کے نام میں "بلوہر" کا اضافہ عربی مترجم نے اپنی طرف سے کر دیا۔ اس عہد کے ایک اور سکالر اور محقق مولوی عزیز مرزا نے اس اردو ترجمہ پر ایک مقدمہ لکھا۔ فاضل مقدمہ نگار کی تحقیق کے مطابق اندازہ کیا جاتا ہے کہ یہ کتاب یوز آسف کے زمانے کے سوا یا دو سو برس بعد مرتب کی گئی۔ اسلامی تاریخ اور لٹریچر کے مشہور عالم علامہ ابن ندیم کی کتاب الفہرست میں اس کا نام ان ہندی کتب میں شامل ہے جس کا ترجمہ سنسکرت سے عربی میں ہوا یا سنسکرت سے قدیم فارسی اور فارسی سے عربی میں ہوا۔ اس عربی ترجمے کے علاوہ جو عبداللہ ابن المقفع سے منسوب ہے اس کے عربی زبان میں دو ترجمے اور بھی کئے گئے تھے۔

کتاب کے دیگر تراجم

اس کتاب کو مشرق و مغرب دونوں اطراف میں غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی اور فارسی و عربی کے علاوہ عہد عباسیہ میں ہی خلیفہ ابو جعفر المنصور کے شاہی طبیب یوحنا دمشقی نے جو مذہباً مسیحی تھا اس کا ترجمہ یونانی زبان میں کیا۔ پھر حبشی، جارجین، ارمنی اور عبرانی زبانوں میں اس کے ترجمے کئے گئے۔ ۱۷۱۲ء میں فلپائن کی زبان "ٹگالا" میں بھی اس کا ترجمہ کیا گیا۔ یونانی زبان میں اس کا ایک اور ترجمہ "سائی مون میٹا فراسٹ" نے کیا۔ یہ فاضل مترجم ۱۱۵۰ء میں گزرا ہے یعنی آج سے قریباً نو سو سال قبل اس کا ترجمہ دوسری بار یونانی زبان میں ہوا۔ تیرہویں صدی عیسوی میں ونسنٹ نامی ایک مسیحی مصنف نے جو شہر بودے کا رہنے والا تھا اس کتاب کو اپنی تصنیف "اسپیکولم ہوریال" میں شامل کر لیا۔ ایک اور مسیحی مصنف "بس ڈی ڈورین" نے اس کتاب کو مختصر کر کے اپنی تالیف "گولڈن لیجنڈ" میں شامل کر لیا۔ بوہمیا، پولینڈ اور آئس لینڈ کی زبانوں میں بھی اس کتاب کے ترجمے ہوئے حتیٰ کہ ناروے کے ایک بادشاہ نے ۱۲۰۴ء میں آئس لینڈ کی زبان میں خود اس کا ترجمہ کیا۔ اس طرح یورپ کی شاید ہی کوئی زبان باقی رہی ہو جس میں اس کتاب کا ترجمہ نہ ہوا ہو۔ اٹلی کے مشہور افسانہ نگار "بوکاچیو" نے اس کتاب کی حکایات کا اطالوی زبان میں ترجمہ کر کے انہیں اپنے افسانوں کی زینت بنایا۔ حتیٰ کہ شیکسپیئر اور ممتاز مصنف "جیسٹاروما نارم" نے بھی اپنے ڈراموں اور افسانوں میں اس کتاب کی حکایات و تمثیلات سے بہت کچھ استفادہ کیا (کتاب بوذ اسف و بلوہر کا مقدمہ ص ۱۱، ۱۲)

ہمارے قریبی زمانے میں انگریزی زبان کے ممتاز اسکالر پروفیسر کے ایس میکڈانلڈ (K.S.MACDONALD) نے "دی اسٹوری آف بارلام اینڈ جوزافٹ" کے نام سے اس کا انگریزی میں ترجمہ کیا تھا اور اس پر ایک بھرپور مقدمہ بھی لکھا تھا۔ ان کا یہ انگریزی ترجمہ ۱۸۹۵ء میں کلکتہ سے شائع ہوا تھا۔

ان تفصیلات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت مسیح کی یہ انجیل (صحیفہ یوز آسف) ساری دنیا میں مقبول ہوئی۔ قدیم آسمانی کتابوں میں بائیبل کے بعد اتنی مقبولیت دنیا کی شاید ہی کسی کتاب کو نصیب ہوئی ہو۔ (ص ۱۳ تا ۱۶)

پیام صاحب موجودہ دور میں اردو زبان کے وہ واحد مسلمان مصنف ہیں جنہوں نے اس موضوع پر خالصتاً حقائق اور واقعات کو قرآن مجید، بائیبل، قدیم و جدید تاریخی شواہد اور مغربی دنیا میں ہونے والی نئی تحقیقات اور انکشافات کو بلا کم و کاست آسان فہم زبان میں بڑے خوبصورت اور مؤثر انداز میں پیش کیا ہے۔

بی بی سی ٹیلی وژن پروگرام، لندن

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کون تھے؟

پروفیسر ڈان کیوپٹ، کیمبرج یونیورسٹی، انگلستان

(۱۴ اپریل ۱۹۷۷ء کو بی بی سی ٹیلیویژن، لندن پر کیمبرج یونیورسٹی کے فلسفہ مذاہب کے پروفیسر ڈان کیوپٹ نے ?Who was Jesus، (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کون تھے) کے عنوان سے پروگرام پیش کیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش، وفات، زندہ جی اٹھنا اور ان کی طرف منسوب عقائد کے بارے میں اس نہایت عالمانہ اور تحقیقی گفتگو پر مشتمل پروگرام کے پیش کار کے علاوہ ذیل کے ماہرین نے بھی شرکت کی:

۱۔ مانچسٹر یونیورسٹی میں قدیم تاریخ کے، پروفیسر انتھنی برلے۔
۲۔ سینٹ چاڈز کالج، درھم یونیورسٹی کے، پروفیسر جیک فیشن۔
۳۔ یروشلم میں راک فیلر عجائب گھر کے مہتمم اعلیٰ، ڈاکٹر رومانی۔
۴۔ آکسفورڈ یونیورسٹی میں عہد جدید کے ماہر، پروفیسر ڈاکٹر جارج کیرڈ
۵۔ یروشلم میں عبرانی یونیورسٹی میں "عیسیٰ کی زندگی" کے مصنف، ڈاکٹر ڈیوڈ فلاسر۔

حضرت عیسیٰ ؑ کی کہانی آج کی سیکولر (لادینی) صدی میں بھی ایک نسل سے دوسری نسل کو بیان کی جارہی ہے۔ تمام عظیم مذاہب کے بانیوں میں سے حضرت عیسیٰ ؑ کی شخصیت سب سے زیادہ الجھن میں ڈالے ہوئے ہے۔ کسی اور انسان کی نہ تو اس قدر پرستش کی جاتی ہے اور نہ ہی اسے اس قدر نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ ان کے بارے میں تمام تصورات ہمارے ذہنوں میں متفرق خیالات پیدا کرتے ہیں۔ لیکن ۱۹۷۷ء میں بھی حضرت عیسیٰ ؑ کے بارے میں چرچ کا تصور بنیادی طور پر وکٹورین دور کی عکاسی کرتا ہے۔ اینگلیکن چرچ کے مذہبی عقائد کے مطابق حضرت عیسیٰ ؑ ایک خدائی ہستی ہیں جو بادشاہوں کے بادشاہ اور شہنشاہوں کے شہنشاہ ہیں۔ جنت جن کا تخت ہے اور زمین ان کا پائیدان ہے۔ انتہا پسند عیسائی آپ کو جنوبی امریکہ کے انقلابی لیڈر شی گویوارہ کی طرح عقیدت سے سلام کرتے ہیں۔ انجیل مقدس کی تعلیمات کے مطابق آپ سپرمین یعنی مافوق الفطرت انسان ہیں۔ جبکہ روایتی عیسائیوں کے نزدیک اب بھی آپ ایک مقدس ہستی ہیں۔

حضرت عیسیٰ ؑ کون تھے؟ ان کی موجودہ تصویر خود انسانوں کی اپنی کاوش نظر آتی ہے۔ کیا حضرت عیسیٰ ؑ تصور کی تخلیق ہیں جو تاریخی واقعات کی حد بندیوں سے آزاد ہیں۔ کیا وہ اب وہ کچھ ہیں جو ہم انہیں بنانا چاہتے ہیں اور ان کی شخصیت ہمیشہ اسی طرح ہمارے تصورات کے مطابق ڈھلتی چلی جائے گی حتیٰ کہ وہ ٹارسن کے تخلیق کردہ مصلح کی شکل اختیار کرلے گی جس نے جنسی آزادی کا علم بلند کیا تھا۔

کیا یہ ممکن ہے کہ دو ہزار سال کے تصوراتی دور سے پیچھے کی طرف لوٹا جائے اور تحقیق کی جائے کہ کیا واقعی ناصرہ میں کوئی عیسیٰ ؑ رہتا بھی تھا۔ اگر ایسا تھا تو وہ کس طرح کے تھے؟ اس پروگرام میں ہم اسی مقصد کو حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔ اس تحقیق میں ہم آثار قدیمہ سے لے کر قدیم صحائف تک کی چھان بین کریں گے۔ اس سلسلہ میں ہم اسرائیل بھی جائیں گے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ ؑ وہاں رہتے تھے۔ ہم ذہن میں پہلے سے قائم کئے ہوئے کسی مفروضہ کے بغیر ہی آغاز کریں گے۔ میں خود بھی عہد نامہ جدید کے بارے میں ایک ماہر کا سا علم نہیں رکھتا۔ میں یہاں کیمبرج یونیورسٹی میں فلسفہ مذاہب پر تحقیق کا کام کر رہا ہوں۔ میرا کام دلائل اور ثبوت کو جانچنا ہے۔ ہم پہلے ماہرین کی رائے لیں گے اور جو کچھ وہ بتائیں گے اسی کو معیار بنا کر اس کی پرکھ کریں گے جس طرح کسی واقعہ کی تاریخی طور پر چھان بین کی جاتی ہے۔ حضرت عیسیٰ ؑ جس زمانے میں رہتے تھے اس کے بارے میں آج زیادہ بہتر معلومات میسر ہیں۔ ہمارے لئے یہ موقع ہے کہ ہم اپنے سے پہلے محققین سے بہتر کام کریں۔ بہر حال ہمیں ہر قیمت پر حقیقت کو جاننے کی کوشش کرنا چاہئے۔

پہلا سوال ہمیں یہ کرنا چاہئے کہ کیا حضرت عیسیٰ ؑ کبھی تھے بھی؟ کیونکہ اس کا انکار کیا گیا ہے۔ اس کے لئے ہمیں کسی قدیم زمانے کے مورخ

سے پوچھنا پڑے گا۔

انتھنی برلے مانچسٹر یونیورسٹی میں قدیم تاریخ کے پروفیسر ہیں۔

سوال: بائبل کے علاوہ اس بارے میں کیا شواہد ہیں؟

اس سلسلہ میں مختلف قسم کے شواہد ملتے ہیں۔ سب سے پہلے یہودی مورخ جوسیفس ہیں جنہوں نے ۸۰ء اور ۹۰ء میں تاریخ مرتب کی ہے۔ اس کے ہاں ہمیں حضرت عیسیٰؑ کا دو دفعہ ذکر ملتا ہے۔ یہ تھوڑے سے مشکوک ہیں اور بلاشبہ عیسائیوں نے اس میں ردوبدل کیا ہے۔ پھر ذرا بعد میں دوسری صدی کے آغاز میں دو ہم عصر مورخ Tacitus اور Pliney کی تحریرات میں بھی ان کا تذکرہ ملتا ہے۔ Pliney ایک ادیب ہونے کے علاوہ بحر اسود کے رومن صوبے ساؤتھ کوسٹ کا گورنر بھی تھا۔ اس نے شہنشاہ کو خط تحریر کیا کہ وہ عیسائیوں کے بارے میں کیا کرے؟ کیونکہ اسے عیسائیوں کو سزا دینے کے بارے میں مروجہ قانونی طریق کار کا علم نہ تھا۔ اس نے بادشاہ کو اس خط میں یہ بھی بتایا کہ وہ عیسائیوں کے بارے میں کیا کر رہا ہے اور یہ کہ اسے ان کے بارے میں کیا معلومات حاصل ہوئی ہیں۔ اس نے مزید بتایا کہ "عیسائی صبح سویرے سورج نکلنے سے پہلے حضرت عیسیٰؑ کی حمد گاتے ہیں جیسے کہ وہ کوئی خدا ہو۔"

اس واقعہ کی تاریخ ۱۱۰ اور ۱۱۲ عیسوی ہے لیکن یہ کوئی اتنی واضح نہیں ہے۔ اس سے زیادہ معتبر ذکر مورخ Tacitus کرتا ہے جو کہ Pliney کا دوست تھا۔ اس نے کچھ سالوں بعد ۶۴ء میں نمرود بادشاہ کے دور کا ذکر کیا ہے جب روم میں آگ لگ جانے کے بعد عیسائیوں پر سخت ظلم و ستم ڈھایا گیا۔ مورخ کا کہنا ہے کہ نیرو بہانہ تلاش کر رہا تھا کہ کس طرح وہ اپنے آپ کو آگ لگانے کے الزام سے بچالے اور یہ الزام کسی اور کے ذمہ لگا دے۔ اور عیسائی وہ لوگ تھے جن سے لوگ سخت نفرت کرتے تھے۔ عیسائیت کے لفظ کا بانی ایک شخص کرسٹس (نصرانی) تھا جسے طبراس کے دور میں عدالت کے حاکم پلاطوس نے موت کی سزا سنائی تھی۔ ٹیسی ٹس کے اس قسم کا ذکر کرنا اس بات کا اشارہ دیتا ہے کہ یہ ایک واقعہ کا مختصر ذکر ہے جس کے بارے میں زیادہ تفصیل وہ پہلے دے چکا ہے۔ کیونکہ طبراس کے دور کی اولین تفصیلات کا ذکر موجود نہیں۔ عین ممکن ہے عیسائی راہبوں نے جو کچھ دیکھا اس کو دیکھا جانا وہ نہ چاہتے ہوں اور اسی لئے اس کو احاطہ تحریر میں نہ لائے۔

سوال: آخر Tacitus کی معلومات کا ماخذ کیا ہے؟ اور اس نے یہ معلومات کہاں سے حاصل کیں؟

Tacitus خود قدیم رومن پادریوں کے پندرہ افراد پر مشتمل بورڈ کا ممبر تھا جو سبائی پیشگوئیوں کو جاننے والے کاہن کے مشورے سے قربانی دیا کرتے تھے۔ یہ دوسرے مذاہب کے عقائد میں بھی دلچسپی رکھتا تھا۔ یہ اس کے فرائض میں سے تھا کہ وہ دوسرے مذاہب کے بارے میں علم رکھے اور شاید اس نے اس سلسلہ میں کافی تحقیق بھی کی تھی اور بہت ممکن ہے رومن سینٹ کے پاس کردہ قوانین کے ریکارڈ میں پلاطوس کا تذکرہ موجود ہو جس کا اس نے ضرور مطالعہ کیا ہو گا۔

سوال: آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں اس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ اعلیٰ عدالتی حاکم پلاطوس ایک معروف تاریخی شخصیت تھا۔

ہاں، بے شک ہمیں اس کے بارے میں جوزف اور رفائلہ کی مرتب کردہ تاریخ میں حوالہ ملتا ہے۔ ہمیں پلاطوس کے بارے میں ایک کتبہ ملا ہے جو ظاہر کرتا ہے کہ اس نے طبراس کے اعزاز میں قیصریا کے مقام پر ایک معبد تعمیر کرایا تھا جب وہ عدالت کا حاکم اعلیٰ تھا اور اس نے ایسے سکے بھی جاری کئے تھے جن سے یہودی ناراض ہوئے کیونکہ ان پر بت پرستوں کی قربانی کی بہت سی چیزوں کی علامات تھیں۔ یہ وہ الگ الگ ٹکڑے ہیں جو آپ کو انجیل مقدس میں ملتے ہیں۔ لہذا جس دنیا کے متعلق انجیل مقدس میں تفصیلات بیان کی گئیں ہیں وہ حقیقت میں بھی موجود تھی۔

سوال: ایک شخص جو خود عملی رنگ میں عیسائی نہیں لیکن بنیادی طور پر قدیم تاریخ کا مؤرخ ہے، کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ مسیح ناصری ایک تاریخی شخصیت ہیں؟

ہاں بلاشبہ۔ اس سے انکار کرنا بے وقوفی ہو گی۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے ہمارے پاس Tacitus ہیں۔ مثال کے طور پر اگر عیسائیت دوسری صدی میں سسک رہی تھی۔ تو پھر بھی ہمارے پاس اس بات کا ثبوت موجود ہے کہ اس نام کا کوئی شخص طبراس کے دور میں جودیا میں رہتا تھا جس کو عدالت کے حاکم پلاطوس نے سزا کے طور پر یہاں بھیجا تھا اور لوگ جیسا کہ Pliney بتاتا ہے اس کی بطور خدا عبادت کرتے تھے۔

جب ہم انجیل مقدس کے علاوہ پرانے زمانے کے شواہد کا تقابلی مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں یہ بنیادی خاکہ ملتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ ناصرہ کے علاقہ گلیلی کے رہنے والے تھے جن کے پیروکاروں کو تمسخر سے نصرانی کہا جاتا تھا۔ آپ ایک اُستاد اور معالج تھے جو شدید اختلاف کا مرکز تھے۔ جن کو عدالت کے حاکم پیلاطوس کے حکم پر صلیب پر چڑھا دیا گیا جو کہ ۲۶ء کے زمانہ میں جودیا میں متعین تھا اور جس کو پھر معزول کر دیا گیا تھا۔ آخر کار حضرت عیسیٰؑ

کی شخصیت ایک نئے مذہب کی بنیاد بنی۔ یہ بنیادی خاکہ یہودیوں، عیسائیوں اور بت پرستوں میں مشترک ہے اور اسی کو تاریخی حقیقت کے طور پر لیا جا سکتا ہے مگر اس ڈھانچہ پر مزید گوشت چڑھانے کے لئے ہمیں پروفیسر Burley کے بیان کردہ حقائق کی طرف جانا ہوگا۔

لہذا اس بات پر مزید تحقیق کے لئے کہ حضرت عیسیٰؑ کیا تھے؟ ہمیں عہد نامہ جدید اور خاص طور پر اناجیل کو دیکھنا ہوگا۔ اگر آپ اپنے شہر میں کتابوں کی کسی دکان پر جائیں تو وہاں آپ کو دکاندار شاید گڈ نیوز بائبل کے ۱۹۷۶ء کے ایڈیشن کی کاپی پیش کرے گا۔ ہم اس کا متی کا باب کھولتے ہیں اور یہاں پڑھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ Galilee کے صوبے ناصرہ (Nazareth) کے مقام سے آئے تھے۔ حضرت یوحناؑ نے دریائے اردن میں ان کو بپتسمہ دیا۔

اب ہمیں کس طرح علم ہو کہ جو کچھ مرقس نے لکھا وہ سب سچ ہے؟ کیونکہ یہ بائبل بھی تراجم کی ایک لمبی قطار میں سے ایک جدید ترجمہ ہے۔

سوال: اسی طریق پر چلتے ہوئے ہم حضرت عیسیٰؑ کے وقت سے ۱۸۸۱ء کے ترجمہ تک پہنچ جاتے ہیں، جب ۱۶۱۱ء کے مستند ترجمہ کی نئے شواہد کی روشنی میں تصحیح کی جاتی ہے۔ ترجمہ کو تیار کرنے والوں نے رابرٹ آئن سٹائن جیسے عالموں کے علم پر انحصار کیا جنہوں نے ۱۵۵۰ء میں پہلا لاطینی نسخہ تیار کیا جس پر کافی تنقیدی نظر ڈالی گئی تھی۔ ۱۵۲۶ء میں پہلی انجیل عہد نامہ جدید شائع ہوئی جس میں William Tindale نے لاطینی نسخہ کے متن پر انحصار کیا تھا جو اراسمس نے ۱۵۱۶ء میں شائع کی تھی۔ سب سے پہلی شائع ہونے والی بائبل Gutenburg بائبل تھی جو ۱۴۵۵ء کے قریب شائع ہوئی۔ اس کا متن لاطینی زبان میں گوتھک رسم الخط میں ہے۔ الفاظ کا ٹائپ سیاہ ہے اور اس میں سجاوٹ کے لئے ہاتھ سے گلکاری کی گئی ہے۔ بائبل کا یہ لاطینی ترجمہ ایک ہزار سال تک مسودہ کی شکل میں منتقل ہوتا گیا۔ کیونکہ اسے سینٹ جروم نے لکھا تھا۔ زمانہ وسطیٰ کی لاطینی انجیل اکثر خوبصورت اور قیمتی پارچوں پر لکھی جاتی تھی جن پر حضرت عیسیٰؑ کی زندگی کے واقعات کی تصاویر بنائی جاتی تھیں جو اس وقت مروج تھیں۔ لیکن جو بائبل یونانی زبان میں مرتب کی جاتی تھی آج کے عیسائی عالموں کے نزدیک ان مسودات کو جو ۳۰۰ء سے ۶۰۰ء کے درمیان لکھے گئے بڑی قدر و منزلت حاصل ہے۔ لہذا اب ہم مزید پیچھے کی طرف چلتے ہیں۔

انجیل، قدیم زمانے کی کتب میں سب سے مستند کتاب ہے۔ لیکن ایک عبارت جس کو یکے بعد دیگرے کئی کاتب نقل کریں تو تدریجاً اس میں غلطیاں داخل ہو جاتی ہیں۔ متن کے نقاد اس امید سے مسودات کی جانچ پڑتال کرتے ہیں کہ غلطیوں کو تلاش کر کے ان کی تصحیح کر دی جائے۔

لیکن موجودہ صدی میں ایک دفعہ پھر کہانی کو مزید پیچھے لے جایا گیا ہے۔ پیپرس پر لکھے ہوئے عہد نامہ جدید کے تقریباً ۸۰ ٹکڑے مصر میں ملے ہیں۔ ان کا تعلق دوسری یا تیسری صدی عیسوی سے ہے۔ کچھ تو کئی صفحات پر مشتمل ہیں لیکن کچھ چھوٹے چھوٹے پرزے ہیں۔ مانچسٹر یونیورسٹی میں پیپرس کے کاغذ پر تحریر کردہ عہد نامہ جدید کے حصے سب سے پرانے ہیں۔ بین الاقوامی اصطلاح میں ان کو P52 کہا جاتا ہے۔ یہ خاص یونانی طرز تحریر میں خوبصورت انداز پر لکھے گئے ہیں حتیٰ کہ ان میں سے کچھ حروف کو میں بھی پڑھ سکتا ہوں۔ طرز تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ۱۰۰ء اور ۱۵۰ء کے درمیان لکھی گئیں۔ لہذا یہ ہمارا سب سے قریبی جسمانی تعلق ان لوگوں کی تحریری شہادت سے ہوتا ہے جو حضرت عیسیٰؑ کو جانتے تھے۔

اگر Rylands کی لائبریری میں موجود بائبل کے ٹکڑے ۱۲۰ء کے قریب تحریر کئے گئے ہوں تو پھر بھی تقریباً ۹۰ سال کا طویل وقفہ حضرت عیسیٰؑ کے صلیب دیئے جانے کے واقعہ تک پہنچنے میں آ جاتا ہے جو ۳۰ء میں وقوع پذیر ہوا تھا۔ ہمارا پہلا قدم یوحنا کی انجیل کے اصلی ترجمہ کی طرف ہوگا جو اس کا حصہ ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات کو قلمبند کرنے والوں کے ناموں سے اس سلسلہ میں کوئی مدد نہیں ملتی کیونکہ یہ اصلی کتاب کے متن کا حصہ نہیں کیونکہ ان کو بعد میں کلیسا کے رسم و رواج کے مطابق شامل کیا گیا۔ سینٹ یوحنا کی انجیل غالباً ۹۰ عیسوی میں ایک غیر معروف مصنف نے تحریر کی تھی۔ اسی طرح وہ بائبل جو ان کے نام سے منسوب ہے حقیقت میں ممکن نہیں کہ اسے متی کے کسی شاگرد نے تحریر کیا ہو۔ یہ تقریباً ۸۰ء کے زمانے میں مرتب کی گئی۔ یہ وہی وقت تھا جب لوقا کی انجیل بھی مرتب ہوئی۔

لیکن اگر یہ عینی شاہد نہیں تو متی اور لوقا نے یہ معلومات کہاں سے حاصل کیں؟ ان کی یہ دونوں اناجیل تقریباً یوحنا انجیل کی طرح، بہت زیادہ ترقی یافتہ اور پیچیدہ ہیں۔ ان میں بہت سی چیزیں مشترک بھی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی معلومات کے ماخذ بھی مشترک ہیں۔ ان میں سے ایک ماخذ جو ابھی تک موجود ہے ہمیں مزید ۲۰ سال پیچھے کی طرف لے جاتا ہے کیونکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دونوں نے اس انجیل کو استعمال کیا ہے جسے ہم مرقس کہتے ہیں جو ۶۵ عیسوی کے قریب لکھی گئی۔ لیکن متی اور لوقا دونوں زیادہ تر مواد خالص طور پر حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات کے بارے میں ایک دوسرے سے حاصل کرتے ہیں جو کہ مرقس میں موجود نہیں۔ ایک

نظریہ یہ ہے کہ دونوں نے ایک تحریر شدہ اقوال کے مجموعہ سے استفادہ کیا جو Q کہلاتا ہے اور جسے ۵۰ عیسوی میں مرتب کیا گیا لیکن یہ مجموعہ گم ہو گیا ہے۔ تمام اناجیل کے درمیان تعلق کو دوبارہ جانچا جا رہا ہے لیکن تقریباً تمام علماء ان کی تاریخ ۵۰ اور ۱۰۰ عیسوی کے درمیان بتاتے ہیں اور ان کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ان انجیلوں کا مواد اوائل کے کلیسا کے مفاد کو پیش نظر رکھ کر ۲۰ سال یا اس سے زیادہ عرصہ کے درمیانی وقفہ کے دوران ترتیب دیا گیا یا جب انجیل کی زبانی روایات سینہ بہ سینہ چل رہی تھیں۔ لہذا ہمیں حضرت عیسیٰ کے بارے میں کافی مواد انجیلوں سے ملتا ہے جو ان کی وفات کے بعد ایک یا دو نسل گزرنے کے بعد یونانی زبان میں لکھی گئیں۔

سوال: یہ ہمیں کیسے معلوم ہو کہ جو یہ کہہ رہے ہیں سچ ہے؟

خیر سب سے سیدھی بات تو یہ ہے کہ یہ سب کچھ تو مکمل طور پر سچ ہو نہیں سکتا کیونکہ یہ ایک دوسرے سے کافی زیادہ اختلاف کرتے ہیں۔ اس لحاظ سے تو یہ آسمانی صحیفہ کی حیثیت نہیں رکھتی۔ مثال کے طور پر متی کے آخری دن کے عشائیہ کی تفصیل میں یہ شامل کیا گیا ہے "میرا وقت قریب ہے۔ میں سالانہ عید فسح تمہارے گھر اپنے حواریوں کے ساتھ مناؤں گا" لیکن یوحنا آخری عشائیہ کے آخری دن کے بارے میں یوں لکھتا ہے "یہ یہودیوں کے عید فسح کی تیاری کا دن تھا...... پلاطوس نے یہودیوں سے کہا، یہ ہے تمہارا بادشاہ۔" متی کے نزدیک حضرت عیسیٰ کو یہودیوں کے عید فسح کے دن صلیب دی گئی لیکن یوحنا کا خیال ہے کہ یہ یہودیوں کی عید سے ایک دن پہلے کا واقعہ ہے۔ یقیناً ان میں سے کوئی ایک تو غلط ہو گا۔

اسی طرح کی بہت سی مثالیں ہیں جن میں اناجیل کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے اس لئے یہ ناممکن ہے کہ ان تمام باتوں کو لفظ بہ لفظ مان لیا جائے جس طرح کہ وہ بیان ہوئی ہیں۔ لہذا جہاں دو بیان ایک دوسرے سے اتفاق نہیں کرتے تو ہم یہ کس طرح فیصلہ کریں کہ کون سا بیان حقیقت کے زیادہ قریب ہے۔

یہ ایک فن ہے اور یہ فن سائنس نہیں ہے۔ یہ علمی تنقید کا فن ہے۔ ہمیں ان اصولوں کی ضرورت ہے جن سے ہم یہ فیصلہ کر سکیں کہ کون سا بیان یا تفصیل زیادہ قدیم اور ابتدائی زمانے کی ہے۔ ان اصولوں میں سے پہلا اصول یہ ہے کہ جہاں دو بیان ایک دوسرے سے اتفاق نہ کریں تو جو زیادہ مشکل یا ناممکن ہو اس کو قبول کرنے کو ترجیح دی جائے۔

مرقس میں موجود اس کہانی کو لیں: "ایک شخص دوڑتا ہوا اس کے پاس آیا اور اس کے آگے گھٹنے ٹیک کر پوچھنے لگا کہ اے نیک استاد، میں کیا کروں کہ ہمیشہ کی زندگی کا وارث بنوں۔ یسوع نے اس سے کہا تو مجھے کیوں نیک کہتا ہے کوئی نیک نہیں مگر ایک یعنی خدا" (۱۰:۱۸)۔

اب متی کو لیں: "اور دیکھو ایک شخص نے پاس آ کر اس سے کہا۔ اے استاد میں کون سی نیکی کروں تا کہ ہمیشہ کی زندگی پاؤں۔ اس نے اس سے کہا کہ تو مجھ سے نیکی کی بابت کیوں پوچھتا ہے نیک تو ایک ہی ہے" (۱۹:۱۶-۱۷)۔ دونوں بیانات قریباً ملتے جلتے ہیں لیکن حضرت عیسیٰ کے پہلے جواب کے الفاظ کو دیکھیں۔ کیا انہوں نے یہ کہا "کہ تو مجھے نیک کیوں کہتا ہے" یا یہ کہ "تم مجھ سے نیکی کے بابت کیوں پوچھتے ہو؟" شاید پہلا جواب زیادہ مشکل ہے۔ "تو مجھے نیک کیوں کہتا ہے" کے الفاظ حضرت عیسیٰ کی زبان پر عیسائی مبشرین نے کبھی بھی ادا نہ کروائے ہوں گے کیونکہ وہ حضرت عیسیٰ کو انتہائی نیک سمجھتے تھے جبکہ متی کے یہ الفاظ کہ "تو مجھ سے نیکی کی بابت کیوں پوچھتا ہے۔" اس کی اپنی کوشش لگتی ہے جس میں اس نے ایک قول کو نرم کرنے کی کوشش کی ہے جو اس کے عقیدہ کے مطابق کلیسا کی تعلیمات سے مطابقت نہیں رکھتی تھی۔ اس لئے شاید متی نے فیصلہ کیا ہو گا کہ وہ مشکل متن کو اس طرح درج کرے کہ اس سے حضرت عیسیٰ کا مقصد واضح ہو سکے۔

اس قسم کے طرز استدلال اکثر الٹ طریق پر بھی استعمال کئے جاتے ہیں اور ان کو زیادہ قابل اعتبار سمجھا جاتا ہے جو اوائل کے کلیسا کی تعلیمات کے خلاف باتیں بیان کریں۔ مجموعی طور پر لوگ اپنے لئے مشکلات پیدا کرنا پسند نہیں کرتے۔ حضرت یحییٰ کے ذریعہ حضرت عیسیٰ کے بپتسمہ کے واقعہ کو ہی لیں۔ اوائل کے عیسائیوں کے لئے اس واقعہ نے مشکلات پیدا کیں کہ کیوں ایک بے گناہ یسوع رضاکارانہ طور پر اپنے آپ کو گناہ سے توبہ کرنے کے لئے پیش کرے۔ لہذا متی جیسے انجیل لکھنے والوں نے حضرت عیسیٰ کے حضرت یحییٰ سے بپتسمہ لینے کی وضاحت کرنے کی ایک رنگ میں کوشش کی اور اس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ ممکن ہے کہ یہ واقعہ مستند ہو۔

لیکن اب ہم بائبل کے تنقید نگاروں کے اسلحہ خانہ کے ایک مضبوط ہتھیار کی طرف آتے ہیں جس کی وجہ سے بیشتر لوگ یہ سوچنے پر مجبور ہیں کہ انجیل کے تمام حصے واقعات کو تاریخی لحاظ سے قلمبند کرنے کی بجائے درحقیقت ایک آزادانہ مرتب شدہ مجموعہ ہے۔ اس بات کی بنیاد اس حیرتناک مشابہت پر ہے جو حضرت عیسیٰ کی زندگی کے واقعات، عہد نامہ قدیم کے واقعات اور مضامین میں دیکھی گئی ہے۔

مثال کے طور پر عہد نامہ قدیم میں ذکر ہے کہ ایلیا بیابان میں روزے

رکھتے ہیں۔ ایک مردہ بچے کو زندہ کر دیتے ہیں اور آسمان پر چلے جاتے ہیں۔
اب دیکھیں کہ آپ نے ان واقعات کو پہلے کہاں پڑھا۔ اس سلسلہ میں یہ حوالہ ملاحظہ فرمائیں:

"اور...... ایک شخص آیا اور پہلے پھلوں کی روٹیاں یعنی جو کے بیس گیروے اور اناج کی ہری ہری بالیں مرد خدا کے پاس لایا۔ اس (الیشبیع) نے کہا ان لوگوں کو دیدے تاکہ وہ کھائیں۔ اس کے خادم نے کہا کیا میں اتنے ہی کو ۱۰۰ آدمیوں کے سامنے رکھ دوں؟ سو اس نے پھر کہا کہ لوگوں کو دیدے تاکہ وہ کھائیں کیونکہ خداوند یوں فرماتا ہے کہ وہ کھائیں گے اور اس میں سے کچھ چھوڑ بھی دیں گے۔ پس اس نے اسے ان کے آگے رکھا اور انہوں نے کھایا اور جیسا خداوند نے فرمایا تھا اس میں سے کچھ چھوڑ بھی دیا" (۲ سلاطین ۴: ۴۲۔ ۴۴)۔

عہد نامہ قدیم کا یہ واقعہ صاف طور پر انجیل مقدس کی ۵۰۰۰ افراد کو کھانا کھلانے والے واقعہ کا ہی دوسرے رنگ میں ذکر ہے لیکن عیسائی مبشرین اکثر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ نے ایسی ساری پیشگوئیاں پوری کر دکھائیں۔ جیسے اتوار کے دن جب حضرت عیسیٰؑ یروشلم میں داخل ہوئے اور لوگوں نے ان کا استقبال ہاتھوں میں کھجور کی ٹہنیاں لے کر کیا۔ تو اس کو حضرت زکریاؑ کی پیشگوئی کا پورا ہونا سمجھا جاتا ہے۔ بائبل میں اس کا ذکر ان الفاظ میں آیا ہے: "اے بنت صیون تو نہایت شادمان ہو، اے دختر یروشلم خوب للکار کیونکہ دیکھ تیرا بادشاہ تیرے پاس آتا ہے۔ وہ صادق ہے اور نجات اس کے ہاتھ میں ہے۔ وہ حلیم ہے اور گدھے پر بلکہ جوان گدھے پر سوار ہے" (زکریا ۹:۹)۔

بے شک مرقس اور لوقا کے برعکس متی نے اس پیشین گوئی کو لفظی رنگ میں لیا ہے اور اس نے حضرت عیسیٰؑ کو ایک گدھے بلکہ ایک جوان گدھے پر سواری کرتے ہوئے بتایا ہے جو ایک قسم کا جسمانی ورزش کا تماشہ لگتا ہے۔

اب اس طرح کے واقعات کے بارے میں کیا صورت حال ہے۔ جیک فینٹن جو درھم یونیورسٹی میں سینٹ چاڈز کالج کے پرنسپل ہیں۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

میرے خیال میں اس بارے میں مختلف آراء ہو سکتی ہیں۔ ایک خیال یہ ہو سکتا ہے کہ سب کا شروع سے یہی مقصد ہو گا۔ لیکن اس سے بات بنتی نہیں۔ اس لئے کہ بعض پیشگوئیاں جو پوری ہوئیں اور جن کا ذکر انجیل میں ہے اس کا اطلاق صرف یونانی نسخوں پر ہوتا ہے نہ کہ اصل عبرانی نسخوں پر۔ دوسرا طریق یہ ہو سکتا ہے کہ یہ کہا جائے کہ حضرت عیسیٰؑ سب جگہ گئے تاکہ عہد نامہ قدیم کی پیشگوئیاں پوری ہوں۔ مجھے اس بات کو ماننے میں سخت تامل ہے اور یہ بات انجیل کی بیشتر دوسری پیشگوئیوں کے بارے میں ٹھیک نہیں بیٹھتی۔ کیونکہ یہ وہ واقعات ہیں جو حضرت عیسیٰؑ کو خود پیش آئے۔ اس لئے آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ انہوں نے یہ ارادتاً کئے۔ میرے خیال میں آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ کلیسا کا ایمان ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی ذات میں خدا کے یہ وعدے پورے ہوئے اور پھر اس نے ان واقعات کو اس رنگ میں بیان کیا اور عہد نامہ قدیم کی ایسی عبارتوں کو اس میں لے آئے جو مستقبل کے مسیح کے بارے میں بطور پیشگوئیاں کبھی بھی مقصود نہ تھیں۔

سوال: حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کے واقعات کے بارے میں کیا خیال ہے، کیا ہم تسلیم کر لیں کہ ان کو عہد نامہ قدیم سے اختراع کیا گیا ہے یا ان کی حیثیت تاریخی ہے؟

پیدائش کے متعلق واقعات صرف متی اور لوقا میں ملتے ہیں اور ان دونوں اناجیل نے مرقس سے استفادہ کیا۔ لیکن مرقس میں پیدائش کے بارے میں کوئی واقعہ بیان نہیں کیا گیا۔ جب اس بات پر غور کیا جائے کہ کس طرح متی نے مرقس سے استفادہ کیا ہے تو آپ دیکھیں گے کہ کافی حد تک وہ ان تفصیلات میں کوئی اضافہ نہ کر سکا۔ لیکن شروع میں اور آخر میں اس نے کچھ اضافہ کیا ہے اور جن واقعات میں اس نے اضافہ کیا ہے، خاص طور پر شروع میں، وہ کافی زیادہ عہد نامہ قدیم کی مرہون منت ہے۔ اس لئے مجھے ایسا دکھائی دیتا ہے کہ اس کو اس طریق پر کیا گیا کہ یہ کہا گیا کہ حضرت عیسیٰؑ نے ضرور یہ پیشگوئیاں پوری کی ہوں گی اور پھر اس نے عہد نامہ قدیم میں اس سے متعلقہ پیشگوئیوں کی عبارتوں کو مناسب مقامات میں شامل کر لیا جو پوری ہو سکتی تھیں۔

سوال: کیا آپ مجھے اس طرح کی کوئی مثال دے سکتے ہیں جس میں پیدائش کے واقعات کے بارے میں تفصیلات کو اس طریق پر عہد نامہ قدیم سے لے کر بنا لیا گیا ہو؟

ہاں۔ متی کے شروع کے دو ابواب میں تقریباً تمام مواد وہی ہے جس سے ملتا جلتا مواد عہد نامہ قدیم میں ہے۔ اس کے شروع میں نسب نامے ہیں ان کا زیادہ تر حصہ تواریخ کے ابواب سے لیا گیا ہے۔ پھر یہ فرشتوں کے بارے میں ذکر کرتا ہے اور یوسف نجار سے تعلق کا اظہار کرتا ہے اور یہاں جس پیشگوئی کو استعمال کیا گیا ہے وہ یسعیاہ کی پیشگوئی ہے لیکن اس کو لاطینی طرز کے حوالہ کے طور پر بیان کیا گیا ہے اور اس طرح کنواری کے بطن سے

پیدائش کے تصور نے جنم لیا۔

متی اس بارے میں لکھتا ہے: "یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ جو خداوند نے نبی کی معرفت کہا تھا وہ پورا ہو کہ دیکھو ایک کنواری حاملہ ہو گی اور بیٹا جنے گی اور اس کا نام عمانوایل رکھیں گے" (متی ۱:۲۲، ۲۳)۔

متی نے یسعیاہ نبی کا یہ اقتباس عہد نامہ قدیم کے یونانی ترجمہ سے لیا جس میں لاطینی لفظ Parthenos ہے جس کا ترجمہ یقینی طور پر کنواری ہے۔ مگر اگر متی اصل عبرانی عبارت کی طرف جاتے جو یسعیاہ نے لکھی تھی تو وہاں لفظ Elma ہے جس کا مطلب نوجوان لڑکی ہے۔ عبرانی میں کنواری کے لئے لفظ Bathula موجود ہے۔ لیکن یسعیاہ نے اسے استعمال نہ کیا۔ وہ بالکل ایک قدرتی طور پر پیدائش کی پیشگوئی کر رہے تھے۔ یسعیاہ کی اصل پیشگوئی میں کنواری کے بطن سے پیدائش کا کوئی تصور موجود نہیں۔ متی نے اس کو صرف مسلمہ ثبوت کے طور پر استعمال کیا ہے کیونکہ اس میں عبرانی سے لاطینی میں ترجمہ غلط کیا گیا۔

اب مزید یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا متی کا اس بات پر یقین تھا کہ عیسیٰؑ نے کنواری کے بطن سے جنم لیا اور پھر اس نے بطور ثبوت کسی مواد کی تلاش کی یا یہ کہ پورا تصور اس غلط ترجمہ کی وجہ سے پیدا ہوا۔

حقیقت میں یہ ممکن ہے کہ کرسمس یعنی حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کے پورے واقعہ کا تانا بانا عہد نامہ قدیم سے ہی بنا گیا ہو۔ اس سلسلہ میں چند حوالے ملاحظہ فرمائیں:

میکاہ نبی فرماتے ہیں: "لیکن اے بیت لحم افراتاہ۔ اگرچہ تو یہوداہ کے ہزاروں میں شامل ہونے کے لئے چھوٹا ہے تو بھی تجھ میں سے ایک شخص نکلے گا اور میرے حضور اسرائیل کا حاکم ہو گا" (میکاہ ۵:۲)۔

گنتی میں درج ہے: "یعقوب میں سے ایک ستارہ نکلے گا اور اسرائیل میں سے ایک عصا اٹھے گا" (گنتی ۲۴:۱۷)

یسعیاہ میں یوں آتا ہے: "ایک کنواری حاملہ ہو گی اور بیٹا پیدا ہو گا اور وہ اس کا نام عمانوایل رکھے گی جس کا ترجمہ ہے: خدا ہمارے ساتھ ہے" (یسعیاہ ۷:۱۴، متی ۱:۲۳)۔

"اس لئے ہمارے لئے ایک لڑکا تولد ہوا اور ہم کو ایک بیٹا بخشا گیا" (یسعیاہ ۹:۶)۔

"بیل اپنے مالک کو پہچانتا ہے اور گدھا اپنے صاحب کی چرنی کو" (ایضاً ۱:۳)۔

اسی میں ایک جگہ درج ہے: "قومیں تیری روشنی کی طرف آئیں گی اور سلاطین تیرے طلوع کی تجلی میں چلیں گے" (ایضاً ۶۰:۳)۔

زبور میں آتا ہے: "ترسیس کے اور جزیروں کے بادشاہ نذریں گذرانیں گے سبا اور سیبا کے بادشاہ ہدیے لائیں گے بلکہ سب بادشاہ اس کے سرنگوں ہوں گے۔ کل قومیں اس کی مطیع ہوں گی" (زبور ۷۲:۱۰، ۱۱)۔

سموئیل نبی نے یہ بیان کیا: "وہ لڑکا سموئیل خداوند کے حضور بڑھتا گیا" (سموئیل ۲:۲۱)۔

"سموئیل جو لڑکا تھا کتان کا افود پہنے ہوئے خداوند کے حضور خدمت کرتا تھا" (۱:۸)۔

"تو خداوند نے سموئیل کو پکارا۔ اس نے کہا میں حاضر ہوں" (۳:۴)۔

"اور سموئیل کی بات سب اسرائیلیوں کو پہنچی" (۴:۱)۔

لہٰذا یہ بات صاف ہو گئی کہ حضرت عیسیٰؑ کی ولادت کے تمام واقعات عہد نامہ قدیم کے متن سے جوڑ کر بنائے گئے ہیں۔

لیکن کیا ایسا کیا گیا تھا یا یہ کہ بنیادی طور پر یہ تاریخی واقعات پر مبنی ہیں۔ جان فینٹن کا اس بارے میں حتمی خیال کیا ہے؟

"میری رائے جس کو آپ کچھ بھی وقعت دیں یہ ہے کہ ان واقعات کی تاریخی حیثیت نہیں۔ یہ حقیقت کہ مرقس کی بتائی ہوئی کہانی صرف اتنا تھوڑا اضافہ کر سکا اس کو مشکوک بنا دیتی ہے کہ اس نے پیدائش کے واقعات کو بھی اس میں شامل کر لیا اور یہ حقیقت کہ جو کچھ اس نے تخلیق کیا وہ بھی انجیل قدیم کا بہت زیادہ مرہون منت ہے۔ دونوں باتیں مجھے سوچنے پر مجبور کرتی ہیں کہ متی اور لوقا کی انجیل میں حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کے بارے میں جو تفصیلات درج ہیں ان میں کچھ بھی تاریخی نہیں ہے۔

سوال: "کیا میں آپ سے معجزات کی حقیقت کے بارے میں پوچھ سکتا ہوں کہ حضرت عیسیٰؑ نے ۵ ہزار کو کھانا کھلایا، طوفان کو روکا، پانی پر چلے حتیٰ کہ انجیر کے درخت پر لعنت بھیجی۔ اب آپ ان کی تاریخی اہمیت کے بارے میں کیا رائے دیتے ہیں۔ کیا ان معجزات کو تاریخی اعتبار سے جانچا جا سکتا ہے؟؟"

"میرے خیال میں آپ کو ان معجزات کو دو حصوں میں تقسیم کرنا پڑے گا۔ ایک طرف وہ معجزات ہیں جو بیماروں کو صحت عطا کرنے کے بارے میں ہیں اور باقی دوسری طرف۔ بیماروں کو شفا دینے کے معجزات میرے نزدیک بہت حد تک ممکن ہیں۔ کئی دوسرے یہودی معالجوں کے متعلق بھی ایسی تفصیلات ملتی ہیں اور اسی طرح یہودی جن نکالنے والے وغیرہ جو اسی دور اور اسی جگہ سے متعلق ہیں۔ اور اس امر کی بڑی اچھی گواہی ملتی ہے کہ

مخالفین یہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ ہیرلپلی کے ذریعہ یہ کام سرانجام دیتے تھے۔ میری دانست میں بیماروں کو شفا دینے کے متعلق معجزات کی تاریخی حیثیت کو قبول کیا جاسکتا ہے۔ گو ضمناً یہ کہا جاسکتا ہے کہ شاید ان کو خاص طور پر معجزات میں شمار نہیں کیا جاسکتا۔ میرا مطلب ہے ایسا دوبارہ بھی کیا جاسکتا تھا اور ایسا ذہن کو مائل کر کے یا اس پر اثر ڈال کر کیا جاسکتا تھا وغیرہ، کیونکہ مجموعی طور پر اس قسم کی شفا میں ذہن جسم پر اثر انداز ضرور ہوتا ہے۔ لیکن آپ نے تو کھانا کھلانے کے معجزوں کا ذکر کیا ہے اس کی اساس ایلیا کی کہانی پر ہے جس میں وہ ایک ہجوم کو ایک تھوڑی سی روٹی کھلاتا ہے۔ اور آپ دیکھ سکتے ہیں کہ اسی سے یحییٰ نبی کی بائبل میں کہانی متاثر ہوتی ہے جس میں اسی طرح کی جو کی روٹی ہے۔ نیز بیابان میں محل کی کہانی بھی ہے جس کے تہہ در تہہ اثرات بھی ہیں اور میرے خیال میں عیسائیوں کے عشائے ربانی نے بھی ۵۰۰۰ آدمیوں کو کھلانے کی کہانی کو متاثر کیا ہے۔ سو آپ کے پاس ایک ایسی کہانی ہے جو بار بار عیسائی تاویل نگاروں کے زد میں آئی اور کئی بار کئی طریقوں سے بیان کی گئی۔ اور اس طرح ’روع میں کیا ہوا۔ میرے خیال میں آپ کبھی بھی اسے دریافت نہ کر سکیں گے۔

سوال: حضرت عیسیٰؑ کا صلیب کی موت کے بعد دوبارہ جی اٹھنے کے بارے آپ کا کیا خیال ہے۔ عہد نامہ قدیم میں اس کے متعلق کوئی مضبوط پس منظر نہیں جس سے مدد لی جاسکے۔

”میرے خیال میں میرا عقیدہ یہ ہے کہ پہلے لوگوں نے کہا کہ انہوں نے اسے دیکھا تھا بعد میں لوگوں نے کہا کہ قبر خالی تھی۔ میرے خیال میں قبر خالی ہونے والا خیال کافی بعد میں آیا اور اسے اصل رائے نہیں کہا جاسکتا۔ میرے خیال میں کلیسا نے لوگوں کے عقیدہ سے شروع کیا کہ حضرت عیسیٰؑ زندہ تھے اور جسم سمیت ان کے جی اٹھنے کے خیال پر زور بہت بعد میں دیا گیا۔ لوقا کی انجیل میں اس کا بہت شدت سے ذکر ہے جو میرے خیال میں ۹۰ عیسوی کے قریب کا زمانہ ہے۔ جب آپ کہتے ہیں کہ کیا حضرت عیسیٰؑ جسم سمیت آسمان پر گئے۔ تو میرے خیال میں اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا مجھے علم نہیں اور میرے خیال میں اس سے کچھ فرق بھی نہیں پڑتا۔“ بہت سے علماء کا خیال ہے کہ اوائل میں عیسائیوں نے حضرت عیسیٰؑ کے یادگار واقعات پر دیومالائی حاشیئے چڑھائے۔ جرمن دینیات کے ماہر روڈولف بلٹ مین اس دیومالائی تہہ کو اتار کر انجیل کی بنیاد کو تلاش کرنا چاہتے ہیں۔ جس کو وہ مذہب سے آزاد کرانے کا نام دیتے ہیں۔ ہر دلعزیز دنیاوی ماورائی یقین کہ تمام کائنات کا نجات دہندہ کائنات میں آتا ہے حضرت عیسیٰؑ کے گرد آہستہ آہستہ جمنا شروع ہوا۔ اس کو ایک رنگ میں یوں بیان کیا جاتا ہے:

خدا تعالیٰ بالکل اکیلا نہیں ہے۔ ازل سے اس کا ایک آسمانی ساتھی تھا۔ اس کا ازلی بیٹا یا وارث اس کا کارندہ ہے۔ خدا نے اپنے بیٹے کی وساطت سے مکمل دنیا بنائی۔ لیکن شروع میں کچھ فرشتے زمین پر گرے اور آدم نے نافرمانی کی۔ دنیا میں بگاڑ پیدا ہوا لیکن اللہ تعالیٰ نے انسانی نسل کو ختم نہیں کیا۔ اس نے اسے نجات دلانے کی تدبیر کی۔ اس نے بنی اسرائیل کو اپنی وحی کے لئے چنا اور اس نے نبیوں کا سلسلہ بھیجا لیکن بنی اسرائیل نے اسے پورے دل سے قبول نہ کیا اور آخر کار خدا نے اپنا بیٹا بھیجا جس نے مریم کے بطن میں انسانی شکل اختیار کی اور ناصرہ کے حضرت عیسیٰؑ کا روپ دھار لیا۔

خدا کے بیٹے نے زمین پر خدائی طاقتوں کا مظاہرہ کیا کیونکہ وہ انسانی خیالات کو پڑھ سکتا تھا یا مستقبل کی بات بتا سکتا تھا یا گناہ معاف کر سکتا تھا اور شیطان کو باندھ کر رکھ سکتا تھا۔ وہ قدرت کے قوانین کی خلاف ورزی بھی کر سکتا تھا اور اپنی ہیئت بدل کر آسمانی شان کا مظاہرہ بھی کر سکتا تھا۔

اس کا مشن یہ تھا کہ انسانیت کے تمام گناہوں کا کفارہ اپنے خون سے ادا کرے۔ وگرنہ یہ انسان کو تباہی کی طرف دھکیل دیتا لیکن موت اسے روک نہ سکی۔ وہ قبر سے جسم کے ساتھ زندہ اٹھ کھڑا ہوا اگلے چالیس دنوں کے بعد انہوں نے چرچ کو قائم کیا اور پھر آسمان کی طرف اللہ کے دائیں طرف بیٹھ گیا۔ جلد ہی وہ شان سے اترے گا تاکہ زندہ اور مردہ دونوں کے درمیان فیصلہ کرے اور سنہری ہزار سالہ دور کو واپس لائے۔

کئی لوگوں کا یہ خیال ہے کہ انجیل کے اکثر واقعات دیومالائی ہیں۔ ایسا خیال رنج دہ ہے۔ اگر ایسا ان کے خیال کے مطابق ہو تو تمام اناجیل کو رد کر دینا ہوگا کیونکہ یہ بالکل غیر تاریخی ہیں۔ لیکن انجیل میں دیومالائیت مذہب کے اظہار کی ایک قدرتی شکل ہے۔ تاریخ اور دیومالائیت کے مابین فرق کا مقصد پہلے تو یہ دریافت کرنا ہوگا کہ حضرت عیسیٰؑ خود کیسے تھے اور پھر یہ کہ اوائل کے عیسائیوں میں ان کی کیا اہمیت تھی۔

سوال: جان فینٹن۔ معجزوں کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟“

”میرے خیال میں بہت سے معجزات ہوئے ہی نہیں کیونکہ میرے نزدیک یہ عجیب دکھائی دیتا ہے کہ اس زمانے میں خدا اب سے مختلف ہو۔ اب میں روزانہ معجزات کے انتظار میں نہیں رہتا یا اس امید میں رہوں کہ یہ ظہور پذیر ہوں گے، نہ ہی میرے خیال میں یہ مناسب ہے کہ ہم معجزات کے ظہور پذیر ہونے کے لئے دعا کریں۔ ہمیں اپنی زندگی کی حدود کے اندر

رہنا ہے اور اللہ تعالیٰ بھی انہیں حدود کی حفاظت کرتا ہے۔ میرے خیال میں اس وقت بھی ایسا ہی ہوگا۔ اس لئے جب میں بائبل پر اس حوالے سے تنقید پاتا ہوں کہ معجزات کو نکال دیا جائے تو یہ بات مجھے اس کو زیادہ قابل یقین بنا دیتی ہے بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ جیسے ستارے، فرشتے، کنواری کی کوکھ سے جنم اور دوبارہ جی اٹھنا ہیں۔

۱۹۴۶ء کے قریب شمالی مصر میں ناگ حمادی کے مقام پر اچانک دریافت سے حضرت عیسیٰؑ کے متعلق نئی اطلاعات کی امید پیدا ہوئی۔ اس صورت میں یوحنا کی بائبل مایوس کن ثابت ہوئی۔ یہ بعد کے ایک ملحد عیسائی فرقہ نے لکھی تھی جس کا ابھی تک پتہ نہ تھا۔ اس میں حضرت عیسیٰؑ کی کئی پہلی اَن کہی باتوں کا ذکر ہوگا ورنہ اس نے حضرت عیسیٰؑ کی زندگی کے بارے میں ہمارے علم میں کوئی اضافہ نہیں کیا۔ البتہ ایک دو جگہ پر حضرت عیسیٰؑ کی جسمانی تفصیل کے جو خاکے بظاہر جوزفس کی وساطت سے ملتے ہیں اور پھر آخر کار ہم ان پولیس رپورٹوں تک پہنچتے ہیں جو چوتھی بائبل میں ان کی اسیری کے وقت لکھی گئیں۔ اس کے مطابق وہ تین کیوبٹ یعنی ۵ فٹ سے بھی کم لمبے تھے۔ وہ کچھ منحنی جسم کے تھے۔ وہ لمبوترے منہ والے تھے۔ ان کی بھنویں آپس میں ملتی تھیں اور ناک لمبا تھا۔ اس میں یہ بھی درج ہے کہ وہ تقریباً سانولے رنگ بلکہ بہت سانولے تھے۔ اب بعد کے بیان کے مطابق حضرت عیسیٰؑ کو چھ فٹا، گلابی گالوں والا اور بھورے گھنگھریالے بالوں والا جوان دکھایا گیا ہے۔ جو یقیناً انہیں آئیڈیل بنانے کی کوشش ہے۔ اوپر والی شکل و شباہت انہیں تو کچھ تصوراتی نہیں بناتی اور شاید اس طعن آمیز آوازے میں اسی بات کی گونج ہو کہ "طبیب اپنا تو علاج کر۔" یہ تو ایک مذہبی تضاد ہوگا اگر شفا دینے والا طبیب خود اپنے علاج کے لئے شفا کا محتاج ہو۔

اب اگر مزید ٹھوس حقائق کو جاننا ہے تو اسرائیل چلیں اور دیکھیں کہ آثار قدیمہ کے ماہرین ہمیں کیا بتاتے ہیں۔

آثار قدیمہ کے ذریعہ حضرت عیسیٰؑ کی براہ راست زندگی کے متعلق شواہد نہیں ملتے اور نہ ہی ایسا ممکن ہے۔ البتہ ان کا زمانہ بہت خوش حالی کا تھا اور یروشلم میں اس وقت بہت عمارتیں بن رہی تھیں۔ حال ہی میں پبلک عمارات بلکہ پرائیویٹ گھروں کی کھدائی بھی ہوئی ہے۔

شہر کی فصیل کی موجودہ دیوار ۱۶ویں صدی عیسوی میں تعمیر ہوئی تھی جو ترکی طرز پر تعمیر کردہ فصیل شہر کہلاتی ہے۔ اس کا تاریک حصہ دیکھیں یہ فرش کی سطح پر دیوار تھی۔ جہاں سے اس سال کے شروع میں کھدائی شروع ہوئی۔ پھر ہم نیچے کی طرف گئے تو ہمیں اس کے آثار دکھائی دیئے اور پھر ہم تہہ در تہہ نیچے چلتے چلے گئے۔ پروفیسر ابی جہد نے جو تازہ ترین دریافت کی ہے وہ نجی گھر تھے جو "سدوسی" پروہتوں کے تھے۔ اس کے باشندوں کی رسومات کی پاکیزگی کا اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ پتھر کے برتن استعمال کرتے تھے حالانکہ انہیں بنانا بہت مشکل ہوتا تھا۔ بڑے بڑے مکان رومن بنگلوں کی طرح بنے ہوئے تھے جن میں سنگ مرمر کا اعلیٰ فرنیچر تھا۔ یہ کوئی مضافاتی شہر نہیں تھا بلکہ یونانی رومن طرز کا ایک بڑا شہر تھا۔

ڈایوں ڈائس، جس میں سوراخ کر کے مصلوب کو لے جانے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ اسی قسم کے صلیب کا ذکر حضرت یحییٰؑ کے واقعہ صلیب کی تفصیلات میں ملتا ہے۔ گھریلو استعمال کی ان چیزوں سے حضرت عیسیٰؑ کے زمانے کا جیتا جاگتا تصور آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ اگرچہ یہ مکمل طور پر حلال نہ تھا پھر بھی سدوسی اٹلی سے درآمد شراب کو پسند کرتے تھے۔ اس کی گردن پر لاطینی حروف دکھائی دیتے ہیں۔ یہ دولت کس طرح اکٹھی ہوتی تھی؟ مقامی چھوٹا سکہ گرجا گھر کا ٹیکس ادا کرنے کے لئے کافی نہیں تھا۔ کلیسا صرف Tyrian کی شکل میں رقم وصول کرتا تھا۔ کلیسا کی آمدنی بہت زیادہ تھی اور ٹائرن شکل کرنسی میں تبدیل کرنے والے ۴ فیصد فیس وصول کرتے تھے۔ نہ صرف حضرت عیسیٰؑ بلکہ بہت سے دوسرے لوگ بھی کلیسا کی اس زبردستی وصولی کو ناپسند کرتے تھے۔ لیکن حکومت کے بارے میں یہ صرف علامتی سی ناپسندیدگی کا اظہار تھا اور کرنسی تبدیل کرنے والے اس کے ذریعہ عمدہ طریق پر رہن سہن رکھنے کے قابل بن گئے تھے۔

بہت پہلے زمانے سے عیسائیوں نے ان جگہوں کو تلاش کرنے کی کوشش کی جن کا ذکر انجیل میں ہے۔ ملکہ ہیلن جو کانسٹن ٹائن کی والدہ تھی کے زمانے سے ان فرضی مقدس جگہوں کو چرچ کے لئے مخصوص کر دیا گیا تھا۔ آج کلیسا یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس کے پاس حضرت عیسیٰؑ کی زندگی کی ہر تفصیل محفوظ ہے۔ یعنی اس جگہ ان کو حمل میں لیا گیا تھا۔ اس جگہ وہ پیدا ہوئے تھے۔ اس جگہ انہوں نے پہاڑی وعظ فرمایا تھا۔ اس جگہ وہ مجسم ہوئے تھے۔ اس جگہ دوبارہ زندہ ہونے کے بعد انہوں نے جھیل کے کنارے کھانا پکایا۔ یہ تمام مقدس مقامات جن کی تعداد کئی سو تک پہنچتی ہے ان کی بنیاد محض کافی بعد کی روایات پر ہے۔ لیکن ملکہ ہیلن کی سب سے زیادہ یہ کوشش تھی کہ یہ معلوم ہو جائے کہ کس جگہ صلیب کو گاڑا گیا تھا۔ اس کو کسی طرح یہ یقین ہو گیا تھا کہ وہی جگہ وہ تھی جس پر اب مقدس چرچ بنا ہوا ہے لیکن اس جگہ پر کئی صدیوں سے عبادات سے متعلق مقدس تصاویر بن گئی ہوئی ہیں کہ جن کی وجہ سے کچھ بھی تصور میں نہیں آسکتا۔

جب ۱۸۸۳ء میں جنرل گورڈن یروشلم آیا تو اس کو یقین ہو گیا تھا کہ اس نے "گو لگھتا" میں اصلی کلیوری کو تلاش کر لیا ہے جو ایک بڑا قبرستان تھا۔ لیکن جلد ہی یہ ثابت ہو گیا کہ اس کی آنکھ میں جو ڈرامائی تصویر بنی ہوئی تھی موجودہ زمانے میں وہ پانی کی ٹینکیاں تھیں۔ آج گورڈن کی کلیوری وکٹورین دور کا صرف ایک رومانی افسانہ ہے گورڈن کی کلیوری بس سٹاپ کے اوپر تن تنہا کھڑا ہے جس کو آثار قدیمہ نے بھی نظرانداز کیا ہوا ہے۔ لیکن اس میں بھی تبدیلی کی گئی۔

۱۹۶۸ء میں گورڈن کی کلیوری کی جگہ سے تقریباً ایک میل کے فاصلے پر ایک شخص کی ہڈیاں ملی ہیں جس کی وفات حضرت مسیحؑ کی وفات کے قریب ہوئی۔ جس کے ٹخنوں کو ملا کر میخیں گاڑی گئی تھیں۔ اب کوئی بھی اس خیال کا اظہار نہیں کر رہا کہ یہ حضرت عیسیٰؑ کی ہڈیاں ہیں۔ لیکن جس کسی نامعلوم مظلوم شخص کی بھی یہ ہڈیاں تھیں اس سے ہمیں صلیب پر موت کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہوتا ہے۔

ڈاکٹر رومانی یروشلم میں راک فیلر عجائب گھر کے مہتمم اعلیٰ ہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ ایک کیل ایڑی کی ہڈی سے نکل رہی ہے۔ جبکہ دوسری ایڑی کی ہڈی تقریباً دونوں اطراف سے کچلی ہوئی اور دوسری طرف کو مڑی ہوئی ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ ایک قسم کی لکڑی کی زنجیر تیار کی گئی تھی جو دونوں ایڑی کی ہڈیوں کو باندھے ہوئے تھی اور پھر بیڑیوں کو صلیب کے پاؤں کی طرف کیل سے گاڑھ دیا گیا جبکہ کیل نے دونوں ایڑیوں کو چیرا ہوا تھا۔ لیکن اس طریق پر نہیں جیسا کہ ہم اب تک سمجھتے تھے کہ ہتھیلی میں کیل گاڑھی جاتی تھی بلکہ کلائی کے شروع میں دونوں ہڈیوں کے درمیان میں کیل گاڑی جاتی تھی صرف اس وجہ سے کہ اگر کسی اور طرح سے کیا جاتا تو کیل ہاتھ کو پھاڑ دیتا۔ حقیقت میں یہ سب باتیں ڈاکٹر بالبے پہلے سے ہی دریافت کر چکے تھے۔ انہوں نے مسیحؑ کی وفات کے متعلق ایک کتاب "کلیوری میں ڈاکٹر" کے نام سے لکھی اور جس میں اس نے پہلے ہی سے ہتھیلی میں کیل گاڑے جانے کو ناممکن ثابت کیا تھا۔ انہوں نے کافی تفصیل سے بتایا کہ وہ شخص کس طرح فوت ہوا۔ در حقیقت وہ دم گھٹنے سے فوت ہوا کیونکہ وہ سانس باہر نکال نہیں سکتا تھا۔ اگر آپ کسی دیوار کے نزدیک اس طرح کھڑے ہوں کہ آپ کے ہاتھ بالکل دیوار سے پیوست ہوں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ جسم کو دیوار سے حرکت دیئے بغیر سانس لینے اور نکالنے میں دشواری ہوتی ہے۔

سوال: اس شخص کے معاملے میں پنڈلی کی ہڈیاں ٹوٹی ہوئی دکھائی دے رہی ہیں۔ کیا ایسا اس کی اذیت کو کم کرنے کے لئے کیا گیا تھا؟

بالکل یہی بات ہے۔ اس طرح دکھائی دیتا ہے کہ رحم کے طور پر کم بلکہ اس لئے کہ چونکہ سپاہیوں کو تمام وقت ۲۴ یا ۴۸ گھنٹوں کے لئے دھوپ یا بارش میں صلیب کے قریب کھڑے رہنا پڑتا تھا اور کیونکہ اس درد دہ تکلیف کے ذریعہ موت آنے میں کتنا وقت لگے اس کا علم نہ ہوتا تھا اور ممکن ہے وہ یہ چاہتے بھی نہ ہوں کہ ان کو اتنا لمبا عرصہ وہاں کھڑے رہنا پڑے۔ اس لئے اگر وہ محسوس کرتے کہ اذیت کو ختم کرنے کے لئے پنڈلی کی ہڈیاں توڑ دی جائیں تو وہ پنڈلی کی ہڈی توڑ دیتے۔ اور حقیقت میں ایسا ہی کیا جاتا تھا۔ جیسا کہ آپ کو یاد ہے کہ عہد نامہ جدید میں لکھا ہے کہ جب ایک سپاہی پلاطوس کے پاس آیا اور اس نے بتایا کہ حضرت عیسیٰؑ فوت ہو چکے ہیں تو وہ حیران ہوا۔ اس نے کہا کیا وہ فوت ہو گئے ہیں؟ اور جب اسے جواب ملا کہ "ہاں"۔ میں نے اس کے پہلو میں نیزہ مارا تھا۔ دوسرے دو فوت ہو چکے تھے کیونکہ ان کی پنڈلی کی ہڈیاں توڑ دی گئیں تھیں۔ جیسا کہ ہم یہاں بھی یہی دیکھتے ہیں۔

سوال: ہم دیکھتے ہیں کہ انجیل کے مطابق حضرت عیسیٰؑ کی صلیب کے ساتھ ایک رقعہ برائے اطلاع لگا ہوا تھا۔ کیا یہ مقرر کردہ طریق تھا کہ مصلوب کے جرم کی تشہیر کی جاتی تھی۔

جی ہاں، یقیناً ایسا تھا۔ در حقیقت ایک وجہ جس کی بنا پر ہم یہ کہتے ہیں کہ صلیب اس طرح کی نہ تھی جیسی ہم آج دیکھتے ہیں کہ اس کے اوپر کا حصہ نہیں ہوتا تھا۔ جو ہمیں اوپر کا حصہ نظر آتا ہے۔ وہ در حقیقت وہ حصہ ہوتا تھا جس پر اشتہار لگا ہوتا تھا۔ جو صلیب دیئے جانے والے شخص کے سر کے اوپر لگا دیا جاتا تھا۔ پھر بعد میں موجودہ صلیب کی صورت وجود میں آئی جیسے آج ہم دیکھتے ہیں۔

سوال: کیا کافی زیادہ تعداد میں لوگوں کو صلیب دی جاتی تھی اور کیا یہ ایک عام سزا تھی؟

بد قسمتی سے، ہاں۔ ہم جانتے ہیں کہ ۷۰ ویں عیسوی میں روم اور جودیہ کے درمیان جنگ میں یروشلم کے اردگرد پہاڑیاں صلیبوں سے بھری ہوئی تھیں۔ ان دنوں کوئی یہودی رومی تسلط کو برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ آزادی کے متوالے بغاوت کے منصوبے بناتے رہتے تھے۔ فریسی، غیر یہودیوں سے نفرت کرتے تھے لیکن سدوسی عبادت گاہوں میں ان سے تعاون کرتے تھے۔

سوال: حضرت عیسیٰؑ اس کشیدہ سیاسی صورت حال میں کس طرح شامل

ہوئے؟

ڈاکٹر جارج کیرڈ آکسفورڈ یونیورسٹی میں عہد نامہ جدید کے ممتاز پروفیسر ہیں۔

میرا خیال ہے کہ انہیں اس کشیدہ سیاسی صورت حال کا حصہ نہیں گردانا جاسکتا۔ اور ان کو سمجھنے کی کوئی بھی کوشش جس میں ان کو اس صورت حال سے الگ رکھا جائے غلط ہوگی۔ وہ جان بوجھ کر آخر میں یروشلم گئے۔ حالانکہ ان کو ایسا کرنے کی ضرورت نہ تھی۔

اگر ان کو صرف مذہبی معاملات سے دلچسپی تھی تو وہ مکمل طور پر کسی خفیہ گوشے میں رہ کر اپنے حواریوں کو ایک نئے مذہب کی تعلیمات کے بارے میں تربیت دے سکتے تھے۔ انہوں نے جان بوجھ کر حکام کو چیلنج کیا۔ اگرچہ میرا ذہن اس بارے میں صاف ہے کہ ان کا باغی رہنما بننے کا کوئی ارادہ نہ تھا اور یہ بھی واضح رہے کہ ان کو اس وقت کے مذہب سے زیادہ اس وقت کی سیاست میں اس کے عمل دخل سے شدید اختلاف تھا۔

سوال: یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے دنیا کے خاتمے کی پیشگوئی کی تھی اور یہ کہ اپنی تعلیم کے اس مرکزی حصہ میں وہ غلطی پر تھے۔ آپ کا اس کے متعلق کیا خیال ہے؟

"میں دو باتیں کہنا چاہوں گا۔ پہلی یہ کہ یہ سوال بہت اہمیت کا حامل ہے کیونکہ میرا یہ ایمان ہے کہ اس صدی میں مسیحؑ کی تعلیمات کی تاریخی ثقاہت کے بارے میں شکوک کا بڑا حصہ اس سوال سے ہی پیدا ہوا ہے کہ اس طرح کے اہم نکتہ پر وہ غلطی پر تھے۔ دوسرا میں تسلیم نہیں کرتا کہ درحقیقت انہوں نے دنیا کے خاتمے کی پیش گوئی کی تھی۔ انہوں نے اسرائیل کی دنیا کے خاتمے کی پیش گوئی کی تھی اور وہ اس میں بالکل صحیح تھے کیونکہ ان کی وفات کے ۴۰ سال بعد اسرائیل تباہ ہو گیا تھا۔

سوال: لیکن کیا ہم حضرت مسیحؑ کے الفاظ کو دوبارہ ترتیب دے سکتے ہیں۔

ان کے اصلی پیغام کی تلاش نے کچھ سکالرز کو یونانی انجیل سے پہلے آرامی زبان میں انجیل کو تلاش کرنے کی طرف رہنمائی کی ہے۔ سینٹ لوقا کی انجیل میں اس کی مستند مثال موجود ہے:

"خداوند نے اس سے کہا: اے فریسیو! تم پیالے اور رکابی کو اوپر سے تو صاف کرتے ہو لیکن تمہارے اندر لوٹ اور بدی بھری ہے۔ اے نادانو! جس نے باہر کو بنایا کیا اس نے اندر کو نہیں بنایا؟ ہاں اندر کی چیزیں خیرات کر دو تو دیکھو سب کچھ تمہارے لئے پاک ہوگا" (لوقا ۱۱:۳۹ تا ۴۱)۔ یہ فقرہ کہ "اندر کی چیزیں خیرات کر دو" بالکل لغو بات ہے۔ اس لئے اس فقرہ کو واپس آرامی میں ترجمہ کرتے ہوئے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اس میں "خیرات کر دو" کے لئے لفظ زکوٰۃ، آرامی زبان کے ہی ایک اور لفظ "دکوہ" سے بہت ملتا جلتا ہے۔ جس کا مطلب ہے صاف کرنا۔ ہم شاید لوقا کی یونانی انجیل سے پیچھے جا سکتے ہیں اور زیادہ واضح آرامی زبان کی جھلک دیکھ سکتے ہیں اور آزادی سے اس بارے میں چھان بین کر سکتے ہیں۔ متی میں بھی آتا ہے "اے اندھے فریسی! پہلے پیالے اور رکابی کو اندر سے صاف کر تا کہ اوپر سے بھی صاف ہو جائیں ...... اسی طرح تم بھی ظاہر میں تو لوگوں کو راستباز دکھائی دیتے ہو مگر باطن میں ریاکاری اور بے دینی سے بھرے ہو" (متی ۲۳:۲۶،۲۸)۔

یہاں حضرت عیسیٰؑ حسب معمول اندرونے اور نیت کی پاکیزگی کا مطالبہ کر رہے ہیں۔

کچھ سکالرز نے آرامی انجیل والی دلیل کو ایک شاندار قدم آگے کی طرف گردانا ہے۔ لوقا میں اس مشہور قول کو ملاحظہ کریں:

"اپنے دشمنوں سے محبت رکھو۔ جو تم سے عداوت رکھیں ان کا بھلا کرو۔ جو تم پر لعنت کریں ان کے لئے برکت چاہو۔ جو تمہاری تحقیر کریں ان کے لئے دعا کرو" (لوقا ۶:۲۷،۲۸)۔

آیئے ایک مرتبہ پھر واپس اس کو آرامی زبان میں ترجمہ کرتے ہیں۔ اس طرح جو صورت ہمارے سامنے آتی ہے یہ ہے کہ یہ قول شعر کی صورت میں ہے۔ یہ انگریزی میں بھی قابل قبول صنف ہے۔ اگر کوئی عبرانی اور آرامی شاعری کے تمام اصناف کو جانتا ہو تو اس شاعری میں تمثیلات استعمال کئے جاتے ہیں جس میں دوسرا مصرعہ پہلے مصرعہ کے ہی مفہوم کی گونج ہوتی ہے لیکن اس میں وہ خیال کو اور آگے بڑھاتا ہے۔

"اپنے دشمنوں سے محبت رکھو۔ جو تم سے عداوت رکھیں ان کا بھلا کرو۔ جو تم پر لعنت کریں، ان کے لئے برکت چاہو۔ جو تمہاری تحقیر کریں، ان کے لئے دعا کرو۔" عبرانی طرز کی یہ شاعری زبور میں بہت زیادہ موجود ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

"خداوند میری روشنی اور میری نجات ہے۔ مجھے کس کی دہشت۔ خداوند میری زندگی کا پشتہ ہے مجھے کس کی ہیبت" (زبور ۲۷:۱،۲)۔

اب اگر ایک مرتبہ کوئی اس کو ڈھونڈنے کی کوشش کرے تو حضرت عیسیٰؑ کے محفوظ کئے گئے اقوال میں اس کی کئی مثالیں ملیں گی۔ "تنگ دروازے سے داخل ہو۔ کیونکہ وہ دروازہ چوڑا اور کشادہ جو ہلاکت کو پہنچاتا ہے اور اس سے داخل ہونے والے بہت ہیں۔ کیونکہ وہ دروازہ تنگ

ہے اور وہ راستہ مشکل ہے جو زندگی کو پہنچتا ہے۔ اور اس کے پانے والے تھوڑے ہیں" (متی ۷: ۱۳-۱۵)۔ یہ عبرانی یا آرامی شعر کی صورت میں ہے اور یونانی نہیں۔

اب ہم واضح طور پر اس بات کی طرف واپس جارہے ہیں جو متی اور لوقا کے یونانی انجیل لکھنے سے پہلے موجود تھی۔ کون نامعلوم شاعر اور مذہبی جدت پسند ان اقوال کا ذمہ دار ہے۔

اس کی سادہ وضاحت یہ ہے کہ یہ الفاظ ان کی طرف جاتے ہیں جن کی طرف یہ متفقہ طور پر منسوب کئے جاتے ہیں یعنی مسیح ناصری"۔ خاص طور پر جب آپ جانتے ہیں کہ عہد نامہ قدیم کے زیادہ تر پیغمبر اپنی تعلیمات کو شعر کی شکل میں ڈھالتے تھے اور مسیح" کے دور کے یہودی مربی بھی اپنی تعلیمات کو پرلطف منظوم کلام کی شکل میں پیش کرتے تھے بلکہ یہ توقع کرتے تھے کہ ان کے حواری اس کو اسی طرح یاد کرلیں۔

سوال: کیا ڈاکٹر کیرڈ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ اس انداز فکر سے ہمیں حضرت عیسیٰ" کے اصل الفاظ تک کا صحیح راستہ مل جائے گا۔ اس سلسلہ میں وہ اور کون سی مثالوں کا حوالہ دینا چاہیں گے۔

"جب تم کسی کو خیرات دو تو منافقوں کی طرح نہ دو اور جب تم عبادت کرو تو بھی منافقوں کی طرح نہ کرو۔" اب آپ کے سامنے چار مصرعے بالکل متوازی صورت میں ہیں جن کا آخر ایک جیسا ہے۔ حضرت عیسیٰ" بظاہر عادتاً اپنی بات نظم کی صورت میں، تمثیل کے رنگ میں، دو دو مقفہ مصرعوں میں کہا کرتے تھے۔ میں نے مسیح" کا نام لیا ہے۔ میں ایسا فرض کررہا ہوں کیونکہ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ متی نے اس کو شعری صورت دی۔ میرا اب بھی یہ خیال ہے اور جس کے بہت مضبوط امکان ہیں کہ حضرت عیسیٰ" نے خود ہی اس عبارت کو نظم کی شکل دی اور اسی لئے میرا یہ خیال ہے کہ اصل نظم کو دوبارہ ترتیب دینا حضرت عیسیٰ" کی اصل تعلیمات تک پہنچنے کے لئے ایک بہت ہی مفید ذریعہ بن سکتا ہے۔ میرے خیال میں کسی کو بھی اس بارے میں سنجیدہ شک نہیں ہونا چاہئے کہ حضرت عیسیٰ" کی تعلیمات کا مرکزی نقطہ خدا کی بادشاہت تھا۔ ان کے نزدیک اس کا خواہ کوئی بھی مفہوم ہو اور یہ کہ انہوں نے اس بارے میں بہت کچھ کہا جو نیا، تازگی بخش اور حقیقی روح رکھتا تھا۔ اس بارے میں بھی کسی کو کوئی شک و شبہ نہیں کہ خدا کی بادشاہت کے بارے میں جو بنیادی باتیں ان کو تھیں وہ یہ تھیں کہ یہ ایک ایسی صورت حال ہوگی جس میں خدا کی مکمل حاکمیت ہوگی اور محبت گری ہوئی، مظلوم اور دھتکارے ہوئے انسانوں کے فائدے کے لئے کارفرما

ہوگی۔ اس لئے ایسی کہانیاں یا باتیں جو اس قسم کے خیالات کو اجاگر کرتی ہیں وہ بہر حال مستند ہوں گی۔

سوال: کیا میں آپ سے حضرت مسیح" کی اخلاقی تعلیمات کے بارے میں پوچھ سکتا ہوں کہ کیا انہوں نے یہودی شریعت کو جاری رکھا یا کہ انہوں نے حضرت موسیٰ" کے دس احکامات کی دوبارہ تجدید کی؟

انہوں نے ایسا ہی کیا۔ لیکن میرے خیال میں انہوں نے اس میں دو اہم اصلاحیں کیں۔ متی کے پانچویں باب میں ایک لمبا پیرا ہے جسے ہم اس کا بالکل الٹ سمجھتے ہیں۔ اس باب کے ہر پیرا کے شروع میں یہ الفاظ آتے ہیں: "تم سن چکے ہو کہ اگلوں سے کہا گیا تھا......" اس میں حضرت عیسیٰ" یکے بعد دیگرے حضرت موسیٰ" کے دس احکامات کو لیتے ہیں اور ان میں وہ اس بات کا اشارہ دیتے ہیں کہ دس احکامات میں ظاہرہ اعمال کو لیا گیا ہے "وہ کام جو تم کرتے ہو" اور یہ کہ اخلاقیات کی روح کا تعلق ان ظاہرہ اعمال سے نہیں ہوتا بلکہ نیت اور کردار سے ہوتا ہے۔ یعنی اس سے کچھ زیادہ تعلق نہیں جو تم کرتے ہو، بلکہ اصل چیز یہ ہے کہ تم کس قسم کے انسان ہو۔ صرف یہ کافی نہیں کہ ایک انسان جھوٹ نہیں بولتا جبکہ وہ حلفیہ بیان دے رہا ہو بلکہ ایک شخص کو بنیادی طور پر ایماندار ہونا چاہئے۔ جس کی ہاں کا مطلب ہمیشہ ہاں ہو اور جس کی نہیں کا مطلب ہمیشہ نہ ہو۔ یہی میرے نزدیک ایک انسان کی پہلی صفت ہونی چاہئے۔ دوسری صفت اس میں یہ ہونی چاہئے کہ وہ اخلاقیات کے بارے میں کسی قسم کی لفظ پرستی کے خلاف ہو۔ جو اخلاق اور نیکی میں بلندی کو اس حد تک پیدا کرسکے کہ اس کو خدا کے رحم کی بھی پرواہ نہ ہو۔

"کیا انجیل کہتی ہے کہ حضرت عیسیٰ" خدا کے ربانی بیٹے ہیں؟"

یوحنا کی انجیل ایسا کہتی ہے "اور گواہی دی ہے کہ یہ خدا کا بیٹا ہے" (۱:۳۴)۔ باقی انجیلیں ایسا نہیں کہتیں۔ مرقس کی انجیل کے آغاز ہی میں ذکر ہے "یسوع مسیح ابن خدا کی خوشخبری کا شروع" (۱:۱)۔ لیکن یہ نہیں کہتی کہ وہ خدا کا ربانی بیٹا ہے۔ "خدا کے بیٹے" کا خطاب مبہم ہے۔ اس لئے کہ یہ خطاب عہد نامہ قدیم میں اسرائیل کے لئے بھی استعمال کیا گیا ہے اور خاص طور پر اسرائیل کے بادشاہ کے لئے جیسے "سلیمان میرا بیٹا تھا"۔ "کیونکہ میں نے اسے چن لیا ہے کہ وہ میرا بیٹا ہو اور میں اس کا باپ ہوں گا" (۱۔ تواریخ ۲۸:۷)۔ پس اگر حقیقت میں حضرت عیسیٰ" خدا کے بیٹے تھے یا خود کو خدا کا بیٹا سمجھتے تھے یا دوسرے لوگوں کو انہوں نے خود کو خدا کا بیٹا باور کرایا تو یہ ہمیں ایک اضافی لفظ "ربانی" کی طرف رہنمائی نہیں کرتے۔

سوال: پس آپ کہتے ہیں کہ اپنی زندگی کے دوران نہ حضرت عیسیٰؑ اور نہ ہی ان کے ماننے والوں نے ان کو خدا کا ربانی بیٹا سمجھا۔

میرے خیال میں جدید اصطلاح میں اس طرح کہنا چاہئے کہ اصل سوال لفظ ربانی کے معنی کا ہے جو بہت مشکل ہے۔

کیا اس کا سادہ سا مفہوم یہ ہے: خدائے مجسم، خود خدا انسانی شکل میں؟

جواب: وہ یقیناً ان کو خدا نہیں سمجھتے تھے کیونکہ ان کے پاس ایسا نہ کرنے کی ایک معقول وجہ تھی کہ انہوں نے ان کو خدا کی عبادت کرتے دیکھا تھا۔

۱۹۴۷ء میں ایک بدو لڑکے نے بحیرہ مردار کے نزدیک ایک بڑا اہم انکشاف کیا۔ اتفاق سے ایک غار میں اسے کچھ مٹی کے مرتبان ملے جن میں سوتی کپڑے میں لپٹے ہوئے چمڑے کے بنڈل ملے۔ اب تک چھ سو کتب کے ہزاروں ٹکڑے مل چکے ہیں جو بحیرہ مردار کے صحیفے کے نام سے مشہور ہیں۔

یروشلم میں کتابوں کے عجائب گھر میں ان کتابوں کی مرمت اور مشکل عبارات کو پڑھنے کا محنت طلب کام ابھی ہو رہا ہے۔ یہ صحیفے ایک مذہبی فرقے غالباً اسینی کی خفیہ لائبریری کا حصہ ہیں جو بحیرہ مردار کے پاس قمران میں ۱۵۰ قبل مسیح سے ۶۸ عیسوی تک سخت راہبانہ زندگی گذارتے تھے۔ یہودیوں کی اکثریت جن عقائد کو مانتی تھی یہ فرقہ ان کو سراسر غلط اور تحریف شدہ مانتے ہوئے ان کو رد کرتا ہے۔ انہوں نے شریعت کی پوری پوری پابندی کرتے ہوئے اپنے لئے ایک بہتر راستہ تلاش کیا جس میں خدا کی بادشاہت کے قیام کی امید اور قدیم صحرائی اقدار پر عمل کرنا شامل تھے۔

جب ایسے لوگ گروہ میں شامل ہو جاتے ہیں تو وہ خود کو خدا کے احکامات پر نہ عمل کرنے والوں سے الگ کر لیتے ہیں اور صحرا میں نکل جاتے ہیں جیسا کہ (صحیفہ میں) لکھا ہے۔ "بیابان میں خداوند کی راہ درست کرو۔ صحرا میں ہمارے خدا کے لئے شاہراہ ہموار کرو" (یسعیاہ ۴۰:۳)۔ یہ راستہ اس شریعت کا مطالعہ ہے جس کا حکم اس نے حضرت موسیٰؑ کے ذریعہ دیا۔ تاکہ ان سب نبیوں کی وحی پر عمل کریں جو ان پر حضرت جبرئیلؑ کے ذریعے نازل ہوئی۔

ان صحیفوں کے لکھے ہوئے کاغذ کے پلندوں کے تفصیلی تجزیے سے ان کے عہد نامہ جدید سے تعلق کے بارے میں کئی سوال پیدا ہوتے ہیں۔ یہ گروہ واضح طور پر اس احساس کو لئے ہوئے تھا کہ یہ ان کا آخری وقت ہے اور اسی لئے انہوں نے جنگ کے لئے منصوبے بھی بنائے تھے۔ اپنی منظم چھاؤنیوں میں ان کو خدا کی آمد کا انتظار تھا۔ انہیں دو مسیح یا دو عیسیٰ کی آمد کی توقع تھی، ایک مبلغ مسیح اور ایک بادشاہ مسیح اور ان کی آنکھیں ایک عظیم فتح کی ضیافت کی منتظر تھیں۔

"جب وہ ایک بڑی میز سے چیزیں اکٹھی کریں گے تو یہ مبلغ مسیح روٹی اور شراب کے پہلے نتائج کو برکت دے گا اس کے بعد اسرائیل کا مسیح اس روٹی پر اپنا ہاتھ پھیرے گا اور سارا مجمع ایک دعا پڑھے گا۔"

تقریباً ۱۴۰ قبل مسیح میں ایک شخص نے خاصی دلچسپی پیدا کر دی جو ایسا دکھائی دیتا تھا کہ گروہ کے ایک بانی رہنما کی حیثیت سے اس کی پرستش کی جاتی تھی۔ اس کے بارے میں عبارات بھی زیادہ واضح نہیں ہیں۔ لیکن بعض شارحین کا دعویٰ ہے کہ وہ بالکل حضرت عیسیٰؑ کا ہم شکل دکھائی دیتا ہے۔ نیکی سکھانے والے۔ اس پہلی شخصیت کے سامنے حضرت مسیحؑ ایک فرضی کردار نظر آتے ہیں۔ اس واضح اعتراض کو نظرانداز کرتے ہوئے کہ حضرت عیسیٰؑ کی طرز زندگی اور پیغام اسینی فرقے سے یکسر مختلف تھے۔ جان الیگرو نے اس اضافہ کے ساتھ کہ یہ سچائی کا سکھانے والا صلیب دیا گیا، کے نظریہ کو اپنایا۔ بعد میں وہ فضا میں اونچی اڑان لینے لگا اور یہ دلیل دینے لگا کہ قمران اور قدیم عیسائیت دونوں کی بنیاد لنک کی مذہبی رسومات پر ہے جس میں مقدس کھمبی بطور نشہ آور جڑی بوٹی کے استعمال کی جاتی تھی۔ ان قیاسات کے خلاف اس دور کے یہودی مورخ حضرت مسیحؑ کی تاریخی حیثیت کو بلا شبہ تسلیم کرتے ہیں۔

یروشلم کی عبرانی یونیورسٹی کے ڈاکٹر ڈیوڈ فلاسر جو کہ "عیسیٰ کی زندگی" کے مصنف ہیں انہوں نے اسینی فرقے کے ان صحائف کا مطالعہ کیا ہے۔

حضرت عیسیٰؑ کی سوانح عمری لکھی جا سکتی ہے اور لکھی بھی جانی چاہئے لیکن ایسا صرف یہودی تاریخی مطالعے کی مدد سے ہی کیا جا سکتا ہے اور چونکہ میں اس بارے میں زیادہ جانتا ہوں اور ان تمام باتوں کو تصور میں لا سکتا ہوں کہ حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ کیا ہوا اور حضرت عیسیٰؑ کیا چاہتے تھے۔ حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ کیا ہوا کے بارے میں یہ بالکل واضح ہے کہ ان کی بعثت ہوئی اور انہوں نے یحییٰ بپتسمہ دینے والے سے بپتسمہ لیا اور ایسا ممکن ہے کہ انہوں نے پہلے ہی سے بطور فریسی اسینی فرقہ کے بنیادی اصول سیکھ لئے ہوں۔ تب انہوں نے تبلیغ شروع کی اور آخر کار ایک نئے جری مبلغ کی حیثیت سے یروشلم جانے کا فیصلہ کیا تاکہ یروشلم والوں کو اس کی تباہی سے خبردار کریں۔ اس سے سدوسی علماء کے نظام کو سخت تکلیف پہنچی اور وہ

حضرت عیسیٰ ؑ کو عید فسح پر روم لے آئے جہاں انہیں صلیب دے دی گئی۔ یحییٰ "بپتسمہ دینے والے کی شروع کی ہوئی تحریک احیاء کا مرکز حضرت عیسیٰ ؑ کی تعلیمات تھیں اور انہیں خدا کی بادشاہت کے متعلق نئی سوجھ بوجھ حاصل تھی۔ جو یہودی علماء کی طرز فکر اور بنیاد پرستی کا رد عمل تھا اور وہ دنیا میں ایک پرامن فتح چاہتے تھے جس کی بنیاد اس محبت پر ہو جو آپ اپنے نفرت کرنے والوں سے کریں۔ اس لئے وہ اپنی موت سے پہلے ان سب کو جن تک ان کی رسائی ہو ایک جگہ اکٹھا کرنا چاہتے تھے۔ دوسری بات کا تعلق پہلی سے تھا کہ اس تحریک کا مرکزی نقطہ آسمانی باپ کے ساتھ ایک خاص تعلق تھا۔ اور میں یہ کہنے کی جرات کروں گا کہ وہ خاص تعلق حضرت مسیح ؑ خود تھے۔

میرے خیال میں یہ ممکن ہے اور حقیقت میں ایسا ہو بھی سکتا ہے کہ انہوں نے آخر میں علماء کے سربراہ کے سامنے اس بارے میں اس کا اقرار بھی کیا ہو۔ جب علماء کے سربراہ نے ان سے واضح طور پر اس بارے میں پوچھا ہو گا اور جبکہ نہ کہنا ہاں کہنے سے زیادہ غلطی میں مبتلا کرنے کا موجب ہوتا۔ وہاں پر بھی متن کسی طرح کے ابہام سے خالی نہیں ہے۔ لیکن میرے خیال میں یہ ممکن ہے کہ تب انہوں نے ایسا کہا ہو۔ میرا خیال ہے یہ بالکل واضح ہے کہ انہوں نے شروع میں سرعام ایسا دعویٰ نہیں کیا تھا اور اس کی وجہ معلوم کرنا زیادہ مشکل نہیں۔ لفظ مسیح ایک بہت ہی مبہم اصطلاح ہے۔ اس کے آسان معنی اسرائیل کے بپتسمہ دیئے ہوئے بادشاہ کے ہیں۔ جبکہ ۳۰ ویں صدی عیسوی میں اسرائیل پر رومیوں کا قبضہ تھا۔ مسیح کو آبادی کی بڑی اکثریت اور خاص طور پر آزادی کے لئے کوشاں خفیہ گروہ نے قبول کر لیا ہو گا جن کے متعلق ہمیں باور کرا دیا گیا ہے کہ وہ تشدد پسند اور متعصب تھے یعنی رومی قابض فوجوں کے خلاف اور آزادی کی جنگ کے علمبردار۔ لیکن یہ بات واضح طور پر ایسی ہے جس کا حضرت عیسیٰ ؑ کوئی ارادہ نہ رکھتے تھے۔

سوال: "کیا یہ بظاہر متضاد بات نہیں ہے کہ اوائل میں عیسائیت حضرت عیسیٰ ؑ کی مسیحیت کی تشکیل میں مصروف تھی اور انہیں ایک خاص نام یسوع مسیح ؑ سے پکارا جاتا۔ اور کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ تاریخی حضرت عیسیٰ ؑ نے اپنی زندگی کے دوران "مسیح" ہونے کے دعویٰ کا اعلان نہیں کیا؟

"میرے خیال میں ہم اس سے صرف یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ اگرچہ انہوں نے خود کبھی مسیح ہونے کا دعویٰ نہیں کیا لیکن انہوں نے جو کردار ادا کرنا تھا وہ کچھ ایسا تھا جس نے ان دعاوی کے لئے کافی بنیاد فراہم کی جو بعد میں ان کی طرف منسوب کئے گئے۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہنا چاہئے کہ اگرچہ انہوں نے خود کبھی مسیح ہونے کا دعویٰ نہیں کیا لیکن ان کے ذہن میں یہ بالکل واضح تھا کہ خدا نے انہیں ایک خاص مقصد کے لئے منتخب کیا تھا اور اس مقصد میں اسرائیل قوم کی ایک طرح کی قیادت بھی شامل تھی تاکہ ان کے ذریعہ وہ ایک نئے دور میں داخل ہوں جس کی عہد نامہ قدیم میں پیش گوئی کی گئی تھی۔ اور یہی وجہ ہے کہ آخر میں وہ یہ کہنے کے لئے تیار ہو گئے تھے کہ ہاں، میں مسیح ہوں بشرطیکہ آپ مسیح کے لفظ کو صحیح معنوں میں سمجھیں۔

لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں لفظ "بیٹے" کی طرف واپس آنا چاہئے۔ حضرت عیسیٰ ؑ کی طرف بہت سے اقوال منسوب کئے جاتے ہیں جن میں لفظ بیٹا آیا ہے اور میں اس کی طرف کافی اعتماد سے واپس آتا ہوں کیونکہ اس بارے میں ہمارے پاس مضبوط تاریخی بنیادیں ہیں۔ مثلاً "ابا" یہ آرامی زبان کا لفظ ہے۔ اب اس بات کی نہ صرف انجیل سے تصدیق ہوتی ہے بلکہ پال کے خطوط میں بھی یہ لفظ دو مرتبہ آیا ہے۔ اور یہ لفظ خاص طور پر حضرت عیسیٰ ؑ کے لئے استعمال ہوا ہے۔ ان کے زمانے کے یہودی خدا کی عبادت کرتے ہوئے اس جانی پہچانی اصطلاح "ابا" کو استعمال نہیں کرتے تھے۔ آرامی بولنے والا ایک عام بچہ بھی اپنے باپ کو مخاطب کرنے کے لئے یہودی لفظ "ادینو" یعنی "ہمارے باپ" استعمال کرتا تھا۔ یہ کہنا صحیح ہو گا کہ حضرت عیسیٰ ؑ نے جن خطابات کا بھی دعویٰ کیا ان میں خدا سے قربت کا ایک خاص رنگ ضرور موجود تھا۔ یعنی خدا کا بیٹا ہونے کا ایسا رنگ جو انوکھا بھی تھا اور تجرباتی بھی۔ اور ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ان کی بعثت کی اصل غرض بھی خدا کا بیٹا ہونے کے مفہوم کو سمجھنے کی ایک جستجو تھی۔

بی بی سی ٹیلیویژن، لندن

ترجمہ: کیپٹن عبدالسلام خان

نجات دہندہ بننے سے پہلے حضرت مسیح کیا تھے؟

اے این ولسن، انگلستان

(نوٹ: اپریل ۱۹۷۷ء میں بی بی سی ٹیلیویژن، لندن کے پروگرام Who was Jesus یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کون تھے، پیش کیا گیا تھا۔ اس پروگرام کو کیمبرج یونیورسٹی کے فلسفہ مذاہب کے پروفیسر ڈان کیوپڈ صاحب نے پیش کیا تھا۔

تقریباً بیس سال کے بعد اپریل ۱۹۹۷ء میں بی بی سی ٹیلیویژن، لندن پر ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اسی نوعیت کا ایک اور نہایت دلچسپ پروگرام دکھایا گیا جس کا عنوان Jesus before Christ تھا۔ یعنی نجات دہندہ بننے سے قبل حضرت عیسیٰ کیا تھے۔ دوسرے الفاظ میں مغرب کے علمی اور مذہبی حلقوں میں اس حضرت عیسیٰ کی تلاش کے لئے نہایت سنجیدگی سے کوشش ہو رہی ہے جس کو عیسائیوں نے خدا کے ایک برگزیدہ نبی سے بڑھا کر گناہوں کا نجات دہندہ بنا کر اس کو خدائی صفات سے متصف کر دیا ہے۔ اس پروگرام کے پیش کرنے والے اے این ولسن (A.N.Wilson) ہیں جو برطانیہ کے ایک مشہور و معروف صحافی اور ناول نگار ہیں۔ ان کے علاوہ ذیل کے لوگوں نے اس گفتگو میں حصہ لیا:

۱۔ جنوبی فلوریڈا، امریکہ کے ماہر آثار قدیمہ پروفیسر جم سٹرینج، ۲۔ آکسفورڈ یونیورسٹی، انگلستان کے مطالعہ یہودیت کے پروفیسر ایماریس گیزا ورمیز، ۳۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر گلیلی کے تاریخی پس منظر کے ماہر اور تاریخ دان شان فرائن، (گلیلی وہ جگہ ہے جہاں سے حضرت مسیح نے تبلیغ کا آغاز کیا تھا اور کافی لوگوں نے حضرت عیسیٰ کی دعوت کو قبول کیا تھا) ۴۔ یروشلم میں یہودیوں کی عید سے متعلق رسومات کے ماہر ایڈ سانڈر اور ۵۔ یروشلم میں آثار قدیمہ کے علم الانسان کے ماہر جو زیاس۔

پہلے پروگرام یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کون تھے کا اردو ترجمہ ابھی آپ پڑھ چکے ہیں۔ آپ دیکھیں گے کہ ان دونوں پروگراموں میں گفتگو مذہب کے متعلق ہے اور اس مقدس شخص کے متعلق ہے جو عیسائی مذہب کی بنیاد ہے بلکہ ان کا خدا ہے۔ لیکن گفتگو کا انداز کتنا عالمانہ، تجزیہ کتنا بے باک اور دلائل اور واقعات کو کس قدر بے لاگ طور پر پیش کیا گیا ہے۔ ان میں اکثر باتیں چرچ کے مسلمہ عقائد کے خلاف ہیں اور بائبل جو ان کے نزدیک مقدس کتاب ہے اس پر سخت تنقید ہے۔ ذیل میں بی بی سی کے دوسرے ٹیلیویژن پروگرام کا اردو ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے۔ مدیر)

رگبی سکول کے چرچ کی اس عمارت میں چرچ آف انگلینڈ میں میری باقاعدہ ممبر بننے کی رسم ادا ہوئی تھی۔ اس تقریب کے دوران ہم نے جو حمد گائی اس کا عنوان تھا "اے عیسیٰ! میں نے آخری دم تک تیری خدمت کا وعدہ کیا ہے"۔ لیکن آنے والے سالوں میں میں نے یہ وعدہ توڑ ڈالا جیسے اکثر لوگ توڑتے ہیں۔ جب میں نے یونیورسٹی میں دینیات کے مضمون کو پڑھنا شروع کیا تو معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ کے متعلق بہت سی کہانیاں جنہیں میں تاریخی واقعات سمجھتا تھا (مثلاً بیت اللحم کے ایک اصطبل میں ان کی پیدائش اور صلیب کی موت کے بعد تیسرے روز ان کا جی اٹھنا!) دراصل فرضی قصے تھے! جوں جوں میرا بائبل کے نئے عہد نامے کا مطالعہ گہرا ہوتا گیا توں توں یہ بات کہ حضرت مسیح ناصری خود اپنے آپ کو خدا یا خدا کا حصہ سمجھتے تھے یا یہ کہ انہوں نے غیر یہودیوں کے لئے ایک مذہب کی بنیاد ڈالی تھی، ناقابل یقین ہوتی گئی۔ حضرت عیسیٰ کے حضور انہیں زندہ یا خدا سمجھ کر دعا کرنے پر مجھے بے چینی محسوس ہونے لگی، رفتہ رفتہ بہت دکھ کے ساتھ عیسائی مذہب سے میرا اعتقاد مکمل طور پر اٹھ گیا۔ اور یہ حقیقت عیاں ہوتی گئی کہ ایمانیات کا مسیح جو کہ مخلص عیسائیوں کے دل میں جاگزیں ہے، کا تاریخی مسیح سے کوئی خاص یا بالکل تعلق نہیں۔

عیسائیت کے ان فرضی قصوں کے پیچھے ایک حقیقی انسان ہے، خدا

نہیں وہ وہ مسیح ہیں جو میری دلچسپی کا باعث ہے......ایک ایسی شخصیت جس کی مذہبی، اخلاقی اور منفرد تعلیمات اس حالت میں بھی ہمیں چونکا دیتی ہیں جبکہ ہم ان کے معجزاتی واقعات مثلاً بادلوں میں ان کا اٹھایا جانا پر ایمان لانا چھوڑ چکے ہوں۔

جب مجھے نیا عہد نامہ پڑھایا گیا تو ہمیں بتلایا گیا کہ تاریخ میں یسوع کے متعلق کوئی ایسی خاص فائدہ مند بات نہیں ہے جو قابل ذکر ہو اور یہ سوال کرنا کہ آیا یسوع کا آسمان کی طرف رفع سچ مچ وقوع میں آیا تھا، ایک بلا مقصد سوال ہے! اس سے ہمیں اناجیل کو محض فرضی قصوں پر مشتمل تصانیف سمجھ کر رد کرنے کی ترغیب ملتی ہے۔ مگر عیسائیت نے ہمیشہ اصرار کیا ہے کہ ان کا تاریخی ماخذ حضرت مسیحؑ کی زندگی ہے یعنی اناجیل کا یسوع محض ایک دیومالائی فرضی شخصیت نہیں بلکہ رابن ہڈ اور کنگ آرتھر سے زیادہ حقیقی ہے۔ ان میں ہمیں ان کی جو تصویر نظر آتی ہے مثلاً ان کا بیماروں، سماج کے دھتکارے ہوئے اور گناہگاروں کے لئے رحم، وہ بڑی واضح ہے اس لئے اگرچہ تاریخی مسیح کو تلاش کرنے کی کوشش میں محتاط راہ اختیار کرنا درست ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ تاریخی طور پر ان کے متعلق جاننے کو کچھ مواد بھی موجود نہیں یا یہ کہ اس لحاظ سے ان کے متعلق کوئی کام کی بات نہیں کہی جا سکتی! یسوع کے عہد کے وہ سال جن کے متعلق ہمیں کچھ خبر نہیں، ان سے متعلق دستاویزات اور پھر ان پر فرضی قصوں کی ایسی تہہ چڑھی ہوئی ہے کہ سچ کو افسانے سے جدا کرنا مشکل ہو گیا ہے اور عرصہ دراز گزرنے کی وجہ سے بھی یہ تہیں بڑھتی گئی ہیں۔ دوسری صدی عیسوی کے وسط میں جسٹن مارسیر (JUSTIN MARSYR) اس بارے میں کہتا ہے:

”اگر کوئی شخص یسوع کی پیدائش کا ثبوت چاہتا ہے تو وہ بیت اللحم جائے اور اس غار کو دیکھے جہاں وہ پیدا ہوئے تھے اور اس (چرنی) کو دیکھے جس میں اسے لٹایا گیا تھا۔“

بیت اللحم کار کے ذریعہ یروشلم سے ۲۰ منٹ کا راستہ ہے۔ زائرین اس عقیدہ کی بنا پر کہ حضرت مسیحؑ اس گرجا میں پیدا ہوئے تھے، زیارت کو آتے ہیں کہ اس کے غار میں وہ جگہ واقع ہے جہاں یسوع پیدا ہوئے تھے۔ کرسمس کی کہانیاں ہمیں بتاتی ہیں کہ یسوع کو اس لئے چرنی میں لٹایا گیا تھا کیونکہ سرائے میں مریم اور یوسف کے لئے جگہ دستیاب نہ تھی۔ مگر یہ زیارت گاہ بادشاہ کانسٹن ٹائن کی والدہ ملکہ ہیلن نے تعمیر کروائی تھی۔ چوتھی صدی عیسوی میں انہوں نے ارض مقدس کا دورہ کیا تھا۔ روایت کی جاتی ہے کہ انہیں کشف میں بتایا گیا کہ اناجیل میں مذکور واقعہ یہاں ہوا تھا اور تب سے عیسائی یہاں آکر عبادت کرتے ہیں۔

مرقس کی انجیل جو کہ احتمالاً ۷۰ عیسوی یعنی یسوع کی وفات کے ۴۰ سال بعد لکھی گئی بیت اللحم میں پیدائش کا کوئی ذکر نہیں کرتی۔ یہ تو صرف صدی کے آخر میں جیسا کہ متی اور لوقا میں ہے ہمیں یہ بات سنائی دیتی ہے مگر دونوں کے بیانوں میں بڑا واضح اختلاف ہے۔ متی بادشاہ ہیروڈ کے عہد میں یسوع کی پیدائش کا تعین کرتا ہے جو کہ سنہ ۴ ق م میں فوت ہوا اور لوقا یسوع کی پیدائش گورنر سر ینیس کے دور میں متعین کرتا ہے جو کہ سنہ ۶ عیسوی کا شروع تھا۔ گویا ان دونوں بیانات میں دس سال کا فرق ہے۔

ان وجوہات کی بناء پر ایک مذہبی مورخ ”پالا فریڈر کسن“ حضرت مسیح سے متعلق تاریخی واقعات کو بیت اللحم کا حصہ نہیں سمجھتا۔

اوائل کی روایات سے نہ پولوس اور نہ ہی مرقس (جو کہ متی کے ماخذوں میں سے ایک ہے) کی اس بات کی توثیق ہوتی ہے اور جب اس سلسلہ میں لوقا کا موازنہ کیا جاتا ہے تو ہمیں دکھائی دیتا ہے کہ بالآخر جب دونوں نے اپنی اپنی انجیل لکھنا شروع کی تو اس وقت ان اناجیل کے لکھنے کے کچھ مذہبی محرکات تھے۔ اس کی پیدائش کو ٹھیک اس جگہ دکھانا جس کے متعلق پیشگوئی موجود تھی کہ اس جگہ مسیحؑ پیدا ہوں گے، اس بات کا ثبوت فراہم کرتے نظر آتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ ہی مسیح ہیں اور (یونانی زبان میں مسیح کے لئے لفظ کرائسٹ آیا ہے)

سوال: بیت اللحم کی کیا اہمیت ہے؟

جواب: یہ مقام میکاہ نبی کی پیشگوئی سے ڈانڈے ملاتا ہے جس میں مذکور ہے کہ داؤد کی نسل سے ایک رہنما ہوگا جو بیت اللحم میں پیدا ہوگا؟“ (۵:۲)

سوال: تو گویا آپ جو کہہ رہی ہیں وہ یہ ہے کہ یہی لکھاری، جو بھی ان کے نام ہوں، اعتقاد رکھتے تھے کہ یسوعؑ داؤدؑ کی نسل سے تھے اور ایمان رکھتے تھے کہ وہ مسیحا تھے اور پھر انہوں نے ایسے قصے گھڑے جو ان عقائد یا خیالات میں صحیح طور پر ڈھل گئے۔

جواب: یہ صرف خیالات ہی نہیں بلکہ دراصل وہ قدیم یہودی

مقدس کتب کی طرف رجوع کر رہے ہیں جو یونانی میں دستیاب ہیں تاکہ تحریرات کے ذریعہ انہیں یسوعؑ کے زندگی کے حالات اور واقعات سے متعلق قابل اعتبار معلومات حاصل ہو سکیں۔ جو چیز تاریخی طور پر مشکوک نہیں وہ یہ ہے کہ ایک تاریخی شخصیت یسوع نامی واقعی تھی۔ کچھ سیاحوں نے اس سے انکار کیا ہے۔ مگر وہ بھی یہودی واقعہ نگار جوزیفس کی غیر عیسائی گواہی کو تسلی بخش طور پر رد نہیں کر سکے۔ اگرچہ مندرجہ ذیل عبارت کے صحیح الفاظ پر شکوک موجود ہیں مگر سیاح عموماً یہ بات مانتے ہیں کہ جوزیفس نے یہودیوں کی جو تاریخ ۸۰ اور ۱۰۰ عیسوی کے درمیان مرتب کی ہے اس میں وہ حضرت مسیح کے مخالفوں کے متعلق لکھتا ہے:

"تقریباً انہی ایام میں ایک عقلمند شخص عیسیٰؑ رہتا تھا وہ حیرت انگیز کارنامے انجام دیتا تھا اور ایسے لوگوں کا جو نئی باتوں کے شوقین ہوتے ہیں استاد تھا۔ بہت سے یہودی اور یونانی اس کے گرویدہ ہوئے۔ معاشرے کے سرکردہ ممبران کی طرف سے جرم عائد کرنے پر پلاطوس نے اس کو صلیب پر لٹکانے کی سزا دی۔ مگر وہ لوگ جو اس سے شروع سے محبت کرتے تھے انہوں نے یہ جذبہ محبت ختم نہ ہونے دیا!"

سوال: بلاشبہ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ جوزیفس کی کتاب میں خود حضرت عیسیٰؑ کے متعلق عبارت بعد میں عیسائیوں کی طرف سے اضافہ ہے۔ کیا یہ ٹھیک ہے؟

جواب: بہرحال یہ عبارت دلچسپ ہے۔ میری رائے میں اس کے کچھ حصے ضرور مستند ہونے چاہئیں خاص طور پر اس لئے کہ یہ عبارت یسوع کے متعلق نہیں ہے، یہ یسوع کے بھائی جیمز کی موت کے متعلق ہے (وہی یسوع جو مسیحا ہونے کا دعویدار ہے) مگر جیمز تو ۶۲ عیسوی میں مارا گیا تھا اس کا ذکر کیوں؟ اس کے ذکر کا جواز نہیں بنتا بجز اس کے کہ وہ کسی ایسے گروہ کا فرد ہو جو کہ اس وقت جبکہ جوزیفس تاریخ مرتب کر رہا تھا اسرائیل میں قابل ذکر مقام حاصل کر چکا ہو۔

سوال: کیا چرچ کی ابتدا ایسی ہی ہوئی تھی؟

جواب: ایسا ہی معلوم ہوتا ہے؟

یسوع نے گلیلی میں پرورش پائی۔ اغلباً ناصرہ کے چھوٹے سے گاؤں میں ۴ ق م کے لگ بھگ پیدا ہوئے تھے۔ روایات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت یوسف ایک بڑھئی تھے اور یسوع کو بھی باپ کے پیشہ میں تربیت دی گئی۔ ناصرہ میں واقع سینٹ جوزف چرچ کے اصطباغ خانہ میں پہلی صدی عیسوی کے زمانہ کی ایک رہائش گاہ ہے جو کہ روایتی طور پر "بڑھئی کی دکان" کہلاتی ہے۔ گمان غالب ہے کہ یسوع کا خاندان کافی خوشحال تھا۔ آرامی لفظ "نگر" NAGGAR جس کا یونانی بائبل میں لفظ "ٹک ٹوم" TEKTOM ترجمہ کیا گیا ہے (یعنی کاریگری) اس کے معنی "ایک عالم انسان" بھی ہوتا ہے۔ مگر سچ تو یہ ہے کہ حضرت یسوع کا بچپن گمنامی میں چھپا ہوا ہے۔ ان کی بجائے ہمیں ان سے متعلقہ زیارت گاہیں ملتی ہیں مثلاً وہ کلیسا (Church of the Enunciation) جس کے متعلق دعویٰ کیا جاتا ہے کہ یہاں عظیم فرشتے جبرائیل نے حضرت مریم کو خوشخبری دی کہ وہ خدا کا بیٹا جنے گی اور یہ بیٹا داؤد کے تخت کا وارث ہو گا۔

۱۹۴۷ء میں قمران میں جو بحر مردار کے کنارے واقع ہے جو لپٹے ہوئے صحیفوں کے ٹکڑے دستیاب ہوئے تھے ان سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ پہلی صدی کے یہودیوں میں یہ توقع زور پکڑ چکی تھی کہ خدا کی بادشاہت آنے والی ہے۔ ہمارے لئے ان لوگوں کی بے چینی کا تصور کرنا قریباً ناممکن ہے جو کہ مسیحا کے کسی لحہ بھی آنے کے منتظر تھے۔

سوال: میرے ذہن میں یہ بات ہمیشہ غیر واضح رہی ہے کہ پہلی صدی کے یہودیوں کی "مسیح" سے کیا مراد تھی؟

"اچھا یوں سمجھ لیں کہ آپ کا مسیح کے بارے میں تصور کا انحصار اس بات پر منحصر ہو گا کہ آپ پہلی صدی کے کس یہودی سے سوال کرتے ہیں۔ یہ اصطلاح بذات خود تو بائبل کی اصطلاح ہے اور عموماً یہ اس وقت کے بادشاہ یا سردار کاہن کے لئے استعمال ہوتی تھی۔ لفظ "مسیح" میں کوئی خاص یا یکتا بات نہیں پائی جاتی تاوقتیکہ آپ یسوع کی زندگی کے زمانہ میں داخل ہوتے ہیں جبکہ بہت سی سیاسی امیدیں اور برائی سے چھٹکارے کی ایک عالمگیر امید اس خاص قسم کی شخصیت پر مرکوز ہو جاتی ہے ایسی شخصیت جو خدا کا انسانی نمائندہ ہو۔"

سوال: خود یسوع کے متعلق کیا خیال ہے؟ کیا وہ سمجھتے تھے کہ وہی مسیح ہیں؟

جواب: یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ وہ اپنی عوامی زندگی کے شروع میں تو خود یہ اعلان نہیں کر سکتے تھے کہ وہ مسیح ہیں۔ اگر وہ ایسا کرتے تو اپنی بعثت کے شروع میں ہی صلیب دے دیئے جاتے۔ ایسا تو ہر نبی کے ساتھ ہوا

جو خدا کی طرف سے مبعوث ہوا۔ ہمیں جوزیفس کی تاریخ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ یسوع کے بچپن میں گلیلی میں دو ہزار یہودیوں کو صلیب دے دی گئی تھی۔ کیونکہ وہ عنقریب حاصل ہونے والی آزادی کے لئے سرگرم عمل ہونے لگے تھے۔

سوال: دو ہزار؟

جواب: جی ہاں! دو ہزار گلیلی باشندے۔ گلیلی رومن حکومت کی نظروں میں ایک مستقل مشتعل صوبہ کے طور پر بدنام تھا اور یہاں خدا کی بادشاہت کی آمد کے پیش نظر ہمیشہ ایسی تحریکیں ابھرتی رہتی تھیں۔ مجھے "مسیح کی آمد کی امید" کے الفاظ استعمال نہ کرنا چاہئے تھے بلکہ یہ امید کہ "خدا کی بادشاہت کی عنقریب آمد" ہونے والی ہے۔

سوال: یہ وہ پس منظر ہے جس میں یسوع گلیلی کے اس چھوٹے سے گاؤں میں پروان چڑھے ہوں گے۔ اس خوفناک واقعہ کی یاد اور مسیح کی آمد کی توقعات کا چاروں طرف غلغلہ یا کم از کم ایسی مذہبی تحریک جنہیں رومی حکومت انقلابی تحریک سمجھتے تھے۔ ان کے ماحول کا حصہ تھیں۔

جواب: بالکل ایسا ہی تھا۔ کیونکہ ہم لا زماً مذہب اور سیاست میں امتیاز برت رہے ہیں گو قدیم یہودی ایسا نہیں کرتے تھے اور "خدا کی بادشاہت" کا کم سے کم مطلب ان کے نزدیک اقتدار کا خاتمہ تھا۔

گلیلی جودیہ سے اپنی ایک الگ انفرادیت اور جغرافیائی حیثیت رکھتا تھا وہ بالکل الگ دکھائی دیتا تھا۔ زرخیز، خوبصورت، جگہ جگہ ایک دوسرے سے کافی دور چھوٹے چھوٹے گاؤں اور شہر۔ اس ملک میں مختلف قومیں آباد تھیں۔ سفارس کا یہ شہر جس سے یونانی رنگ عیاں تھا اس میں یہودیوں کا غلبہ تھا لیکن اس میں کافی تعداد میں غیر یہودی بھی تھے جو یا تو یہاں ہی رہتے تھے یا تجارت کی غرض سے یہاں آتے تھے۔ یہودیت گلیلی میں مختلف تھی۔ یروشلم جو کہ علم کا ایک پاکیزہ مرکز تھا اس کے لوگ اس علاقے کے دوسرے کسان یہودیوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے جن کو وہ غیر مہذب اور بے عمل سمجھتے تھے۔ گلیلی رومی حکومت کے زیر حکومت تھا جو اکثر سخت گیر اور ظالم تھی۔ اگرچہ پورے علاقے میں رومی فوجی دستے موجود رہتے لیکن در حقیقت یہ یہودی حاکم "ہیروڈ اینٹی پاس" جو عظیم ہیروڈ کا بیٹا تھا اس کے براہ راست عملداری میں تھا۔ اس کا دار الخلافہ سفارس تھا۔ یہاں کے آثار قدیمہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہودی اور غیر یہودی یہاں مل جل کر پر امن طریق پر ایک شہر میں رہتے تھے۔

<u>پروفیسر جم سٹرینج جنوبی فلوریڈا، امریکہ کے ماہر آثار قدیمہ ہیں۔ وہ سفارس میں آٹھ سال سے کھدائی کا کام کر رہے ہیں۔</u>

سوال: اس بات کے کتنے شواہد موجود ہیں کہ یہاں خود رومی ہی رہتے تھے؟

جواب: در حقیقت ہر چیز جو آپ اپنی آنکھ سے یہاں دیکھیں گے مثلاً عمارت کے ساتھ سڑک کی پٹڑی سے لے کر ہر ایک چیز میں آپ کو روم کی جھلک نظر آئے گی۔

سوال: اس سے تو یہ ظاہر ہوا کہ رومیوں کے خلاف کوئی زیادہ نفرت نہ تھی۔

جواب: اس خاص شہر میں تو نہیں لیکن گلیلی میں رومی کسان کے خلاف نفرت موجود تھی۔ کیونکہ ہمیں یہاں ان کی بغاوت کے حوالے ملتے ہیں۔ ٹیکس اور دیگر باتوں کے خلاف بغاوت۔

سوال: سفارس کیسی جگہ تھی؟

جواب: ایک وسیع شہر۔ تقریباً ایک مربع میل لمبا۔ یہ حکومتی مرکز تھا جو ارد گرد کے گاؤں کی مختلف رنگ میں سرکاری خدمات سرانجام دیتا تھا یہ عدالتی نظام بھی فراہم کرتا تھا۔ پھر یہ ایک کاروباری مرکز بھی تھا یہاں خرید و فروخت کے دو مراکز اور دو منڈیاں تھیں جہاں لوگ خرید و فروخت کے لئے آتے جاتے تھے۔

سوال: سفارس میں کس قسم کے مذہب پر عمل ہوتا تھا؟

یہ یہودی اکثریتی علاقہ تھا جہاں ایک یہودی عبادت خانہ کا ہونا ضروری تھا کیونکہ کتب میں اس کا ذکر ملتا ہے۔ یہودی شہر ہونے کے علاوہ یہاں ہر مذہب و ملت کے لوگ آباد تھے۔ بلکہ یہ چیز مجھے یہاں دلچسپ معلوم ہوتی ہے کہ جب بھی ہم کسی پبلک جگہ میں کوئی عمارت کھود کر نکالتے ہیں تو پچی کاری کے نقش و نگار میں کوئی خاص مذہبی اثرات نظر نہیں آتے اور ان کا تعلق غیر اہل کتاب دور اور نہ ہی یہودیوں کے مذہب سے نظر آتا ہے۔ ایسا دکھائی دیتا ہے کہ کوئی بھی فریق دوسرے کو آزار نہیں پہچانا چاہتا تھا۔"

سوال: اس جگہ کیا ہے..... وہ گاؤں؟

جواب: یہ ناصرہ ہے۔ یعنی نیا ناصرہ۔

سوال: ہم تو ناصرہ کے واقعی بہت قریب ہیں۔ یسوع تو یہاں بہ آسانی

چند گھنٹوں میں پیدل چل کر پہنچ سکتے ہوں گے۔

جواب: جی ہاں، زیادہ سے زیادہ دو گھنٹہ میں! ہمارے لوگوں کو اتنا ہی وقت لگتا ہے۔

سوال: اگر وہ یہاں کھانا اور دیگر ضروریات کی چیزیں لینے کے لئے آتے ہوں گے تو انہیں کون سی زبان بولنی پڑتی تھی۔

جواب: یونانی ان میں سے ایک زبان ہے جو شاید وہ جانتے تھے۔ گھروں میں تو لوگ پہلے سے ہی آرامی زبان بولتے تھے اور جب ہمیں یہاں کہیں کچھ لکھا ہوا نظر آئے جیسا کہ اس منزل پر ہے تو وہ یونانی میں ہی ہوتا ہے۔

سوال: تو یسوع کے لئے یونانی زبان میں شدھ بدھ رکھنی ضروری ہو گی؟

جواب: بالکل، کم از کم اتنی کہ وہ سیاست یا کسی موضوع پر گفتگو کر سکیں یعنی یونانی زبان پر عبور حاصل کرنا لازم نہ تھا مگر انہیں کچھ نہ کچھ یونانی زبان تو آنا لازم تھا۔

سوال: میں تو اس بات کو بہت غیر معمولی سمجھتا ہوں کہ یہ عظیم جگہ جو ناصرہ کی دہلیز پر واقع ہے مگر اناجیل میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔

جواب: بایں ہمہ یہ شہر یسوع کے لئے موزوں نہ ہو گا یعنی یہاں پر ان کی کوئی پذیرائی نہ ہوئی ہو گی۔

سوال: آپ کے خیال میں کیا وہ اس جگہ سے دھتکار کر نکالے تو نہیں گئے تھے؟

جواب: زیادہ ممکن یہی ہے۔ میرے خیال میں یہ بھی درست ہے اس لئے کہ رومی تمدن میں نظم و ضبط کو ہی سب کچھ سمجھا جاتا تھا۔ یہاں ایک ایسا شخص ہو جس کے آنے سے فسادات بھڑکنے کا خطرہ ہو سکتا تھا۔ اگر میں بھی اس شہر کے لیڈروں میں یعنی "آرکونس ARCONS میں سے ہوتی تو ان پر ضرور کڑی نگاہ رکھتی۔

سوال: سائمن، پیٹر اور اینڈریو حضرت مسیحؑ کے تین قریب ترین حواری تھے جن کا تعلق بیت حسدہ سے تھا، یہ کیسی جگہ تھی؟

جواب: قدیم ماخذوں کے مطالعہ سے خیال تھا کہ یہ کوئی بہت شاندار جگہ ہو گی جسے فلپ ہیرڈ نے بطور اپنے دار الخلافہ کے تعمیر کرایا تھا لیکن آثار قدیمہ کے انکشافات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بڑی خستہ حال جگہ ہے۔ جب میں پہلی مرتبہ وہاں گئی تو ایسا لگا کہ مجھ پر بجلی گر گئی کیونکہ وہاں زمین پر انسانوں کی بنائی ہوئی کوئی ایسی چیز نہ تھی جس کو مطالعہ کی بنیاد بنایا جا سکتا۔ جو پتھر وہاں موجود بھی تھے جن سے چیزیں بنائی گئی تھیں وہ ان تراشے تھے۔

سوال: تو گویا یہ صورت حال اس آیت کو کہ "مبارک ہیں وہ جو غریب ہیں" ایک نیا مفہوم عطا کرتی ہے؟

جواب: ہاں میرے خیال میں ایسا ہی ہے۔ جب میں مٹی کو اپنے ہاتھوں سے کھود رہی تھی کہ شاید کوئی شیشہ ہی ہاتھ آ جائے تاکہ جانچ سکوں کہ وہ لوگ کس قسم کا شیشہ استعمال کرتے تھے مگر مجھے کچھ بھی نہ ملا۔

سوال: تو گویا "سفارس" SPHARIS میں بالکل کوئی شیشہ نہ تھا؟ حالانکہ اب تو یہاں کھڑکیوں میں خوبصورت شیشے لگے ہوئے ہیں اور شیشے کے پیالے ملتے ہیں۔

جواب: یہ درست ہے۔ ہمیں تو صرف ایک ماہی گیروں کا گاؤں ملا اور وہاں وہ اپنا سودا جو کہ مچھلی تھی فروخت کر رہے تھے اور میں انہیں الزام نہیں دیتی کہ کیوں وہ یہ سب کچھ چھوڑ کر ایک سیلانی "ربائی" (یہودی عالم) کے ساتھ شامل نہ ہوئے۔

سوال: بیت حسدہ سے یسوع کے ماننے والوں کی غربت کا اندازہ ہوتا ہے۔ پیٹر کے گھر کے فرش پر سے مچھلی پکڑنے کے کانٹے اور جال میں لگانے والے وزن برآمد ہوئے اور کوپرنیم CAPERNIUM سے جہاں سینٹ فرانسس کی یاد میں گرجے کی عمارت اس طریق پر کھڑی ہے گویا پہلی صدی کی عمارت کے کھنڈرات پر ایک بہت بڑا پرندہ بیٹھا ہوا ہو۔ یہ سائمن پیٹر کی ملکیت سمجھا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس گھر میں حضرت مسیحؑ کی رہائش بھی رہی۔

بعثت کے شروع میں حضرت مسیحؑ کا سب سے پہلا کام جس کا ذکر انجیلوں میں ملتا ہے یہ تھا کہ انہوں نے کوپرنیم کے یہودی معبد خانہ میں تبلیغ کی۔ یہی وہ جگہ تھی جہاں یسوع نے بد روحیں نکالیں اور مریضوں کو اچھا کیا۔

ان کی بعثت کے ان پہلوؤں سے معلوم ہوتا ہے کہ "تاریخی مسیحؑ" خواہ وہ یہودی پیشینگوئیوں والا مسیحا نہ بھی ہو، اس کا تعلق ایک ایسے کرشماتی "شفا بخشنے" والے گروہ سے تھا جو گلیلی جیسے مرکز کے دور افتادہ علاقوں میں زور پکڑے ہوئے تھا۔

یہ نیک لوگ تھے جو اس خطہ میں گھومتے پھرتے تھے اور لوگوں کو یہودی مذہب کی تعلیم دیتے اور ایسے لوگوں کو جن پر بد روحوں کا قبضہ سمجھا جاتا تھا شفا بخشتے تھے۔ یروشلم کے ہیکل کے پروہتوں کی تعلیم کے برعکس یہ ایک "مقبول عام یہودیت" کی تعلیم دیتے تھے ایسا ایک چلن جو مقبول تھا اور جہاں بھی وہ جاتے لوگ ان کے گرویدہ ہو جاتے۔

سوال: اگر ہم یسوع کو اس قسم کی روایت کا حصہ بنائیں گے تو پھر ان میں ان سب مقدس انسانوں سے ہٹ کر کون سی خصوصی بات تھی؟

جواب: میرے خیال میں ان میں سب سے نمایاں بات یہ تھی کہ حضرت مسیحؑ ایک بہت زیادہ اثر انگیز اور اہم مبلغ تھے۔

آکسفورڈ یونیورسٹی میں یہودی مذہب کے مطالعہ کے پروفیسر گیزا ورمیز (Geza Vermes)

سوال: مگر آپ کا کیا خیال ہے کہ اگر وہ مسیحائی کے مقصد کو پورا نہیں کر رہے تھے تو ان کے نزدیک ان کا کیا مقصد تھا؟

جواب: مسیحؑ کا بنیادی پیغام اور ان کی سرگرمیوں کا مقصد ان کی یہ معرفت تھی کہ انہوں نے روشنی دیکھ لی تھی کہ خدا کی بادشاہت عنقریب آنے والی ہے۔ ہر یہودی فرد کے لئے یہ ضروری ہو گیا تھا کہ وہ اس بات کا ادراک کرے اور اس سے نتائج نکالے، جو دراصل اس بات کا احاطہ کرتا تھا کہ اب مستقبل میں کچھ نہیں ہو گا اور تمام توجہ اس دنیا کی ہر چیز پر مرکوز کرنا ہو گی۔ یعنی اب ہر شخص کو بغیر کسی ذہنی تحفظ کے اپنے آپ کو اس بادشاہی کو قبول کرنے کے لئے تیار کرنا ہو گا۔

سوال: مگر کیا بائبل کی تعلیم کے مطابق یہ دنیا کا آخر نہیں بلکہ اب تو فرد کا خاتمہ ہونے والا ہے؟

جواب: یہ بات تو واضح ہے کہ انفرادی اور اجتماعی طور پر مسیحؑ کی نظر میں لوگوں کے لئے کوئی مستقبل نہیں۔ وہ اپنی تعلیم کی تبلیغ کے لئے آئندہ کسی تنظیم کی پیش بینی نہیں کرتے کیونکہ ایسا کوئی مستقبل ان کی نظر میں ہے ہی نہیں۔

سوال: مسیحؑ کا پیغام تو صرف یہودیوں کے لئے تھا اور یہ پیغام فوری اہمیت کا تھا۔ خدا کی بادشاہی ان کی زندگی میں ہی آجانی تھی۔ اس بادشاہت کے متعلق مختلف یہودی روایات تھیں مگر جن لوگوں کی طرف ان کا روئے سخن تھا غالباً "ان کی نظر میں اس بادشاہت کا مطلب مسیحؑ کے مفہوم سے بہت مختلف تھا...... مسیحؑ کے نزدیک آسمانی بادشاہت کا مطلب انسان کا خدا کے قانون کے سامنے مکمل سر تسلیم خم کرنا تھا مگر یہودیوں کے نزدیک اس کا مطلب روم سے آزادی اور یہودی مذہب کی عالمگیر قبولیت تھا۔ جس ہجوم سے یسوع خطاب کرتے ہوں گے وہ زیادہ بڑا نہیں ہوتا ہو گا، شاید ۳۰ یا ۴۰ افراد کیونکہ ایک بڑا ہجوم تو حکام کی توجہ کھینچ سکتا تھا۔ اگرچہ ہمیں ان کی بعثت کے دوران آمدورفت کے متعلق صحیح معلومات حاصل نہیں مگر ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ وہ شہروں سے اجتناب کرتے تھے اور دیہات اور جھیلوں کے کنارے واقع گاؤں کے لوگوں کی طرف جاتے تھے۔

یہ لوگ جنہوں نے خود مسیحؑ کو سنا اگر خود انہوں نے ہی ان کا انکار کیا تو یہ کوئی تعجب انگیز بات نہیں کیونکہ خود ہم بھی سالہا سال کی تاویلات اور تشریحات کے ذریعہ ایک رنگ میں آج بھی ان کا انکار کر رہے ہیں۔ ہم یہ بات بھی حتمی طور پر نہیں کہہ سکتے کہ مسیحؑ نے وہ الفاظ کہے تھے جو کہ انجیل میں ان کی طرف منسوب کر کے درج کئے گئے ہیں۔

بہر حال حضرت مسیحؑ کی موجودگی کا ایک بے پناہ احساس ہے جو خصوصاً پہلی تین اناجیل میں پایا جاتا ہے۔ اگرچہ ہر ایک بات جو حضرت مسیحؑ کی طرف منسوب کی جاتی ہے ضروری نہیں کہ وہ تاریخی بھی ہو۔ مجھے نہیں معلوم کہ اس کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔

آکسفورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر گیزا ورمیز

جواب: میں اس حد تک تو آپ سے متفق ہوں کہ یہ دعویٰ کرنا تو بالکل ناممکن ہے کہ جو کچھ بھی مسیحؑ کی طرف منسوب کیا گیا ہے وہ مستند ہے اور براہ راست مسیحؑ سے آیا ہے۔ ہاں اس بات کو ہم کم و بیش یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ (اناجیل میں) کچھ عنوانات، خیالات اور موضوعات ایسے ہیں جو کہ مسیحؑ سے مخصوص ہیں اور ان کا آپس میں ربط بھی ہے۔

سوال: میرے خیال میں جیسا کہ آپ کے الفاظ ہیں کہ حضرت مسیحؑ کے متعلق سب سے مسحور کن اور پرکشش بات ان کا دوستانہ رویہ اور گنہگاروں کے لئے ان کا جذبہ ہمدردی ہے۔

جواب: اناجیل میں جو تصویر پیش کی گئی ہے اس کے مطابق یہ بات مسیحؑ کا خاص وصف ہے اور پھر میں سمجھتی ہوں کہ اگر آپ افراد پر اور ان کی کمزوریوں اور ان کی تکلیفوں پر نظر ڈالیں تو آپ یہ دیکھیں گے کہ مسیحؑ کو ان باتوں کی زیادہ فکر تھی بہ نسبت اس بات کے کہ لوگوں کا عام قواعد و

ضوابط اور شہری قوانین کے متعلق مناسب رویہ کیا ہو اور اسی لئے یہ صحیح ہے کہ وہ مہربانی اور معافی اور محبت کے برتاؤ کرنے کے لئے ہر وقت مستعد نظر آتے تھے۔

سوال: مسیحؑ کی کہی ہوئی باتوں کو مستند ثابت کرنے کی کوشش میں نئے عہد نامہ کی آرامی، عبرانی اور یونانی زبانوں کے فرق کی وجہ سے پیچیدگی پیدا ہوگئی ہے۔ مثلاً "انسان کا بیٹا" اور "خدا کا بیٹا" کی تراکیب ایک کلچر کی نسبت دوسرے کلچر والوں کو بہتر سمجھ میں آتا ہے۔ آرامی زبان میں "انسان کا بیٹا" کی ترکیب بعض دفعہ "میں" کی جگہ استعمال ہوتی تھی۔ خصوصاً جب کلام کرنے والا اپنے لئے فخریہ انداز کو اپنانا چاہتا تھا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ مسیحؑ خود کو آسمانی نجات دہندہ سمجھتے تھے۔ اسی طرح "خدا کا بیٹا" بھی ایک مشکل ترکیب ہے۔ شان فراین جو کہ مسیحؑ کے گلیلی کے تاریخی پس منظر کے ماہر ہیں کا خیال ہے کہ عیسائیت میں "خدا کا بیٹا" کے تصور کو اس سے کہیں زیادہ معنی پہنا دیئے گئے ہیں جو کہ مسیحؑ اور اس کے ساتھی یہودیوں نے سمجھے تھے؟

جواب: "خدا کا بیٹا" کی ترکیب اس بات کی مستند مثال ہے۔ اگر ہم یہودی وحدت پسند تمدن سے جو کہ عبرانی بائبل اور آرامی تفسیروں پر مبنی ہے، یونانی تمدن اور یونانی فلسفہ کی روایت کی طرف جائیں تو ہر ترکیب یا اصطلاح کے معنی میں بہت ہی اختلاف پایا جاتا ہے اور میرے خیال میں مسیحؑ کے خصوصی لقب کو "عیسائیت" کا رنگ دینے کی یہ ایک اچھی مثال ہے حضرت مسیحؑ نے خود یہ ترکیب استعمال کی ہو یا نہ، لیکن درحقیقت میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ حضرت مسیحؑ کو اپنی ذات کی بجائے خدا کی بادشاہی کی زیادہ فکر تھی۔

گیزا: یہ بالکل ایک بنیادی بیان ہے۔ عیسائیت میں حضرت مسیحؑ کی حیثیت کے بارے میں بھی اختلاف ہے اور خود خدا پس منظر میں چلا جاتا ہے جب کہ حضرت مسیحؑ کے نزدیک وہ خود پس منظر میں ہیں اور ہر چیز کو خدا کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اس لئے یہ خیال کہ حضرت مسیحؑ مسلسل اپنے آپ کو ہی بیان کرنے کی کوشش میں تھے، ان کے ذہن کی بڑی غلط ترجمانی ہے"۔

سوال: "خدا کا بیٹا" کی ترکیب کا پھر کیا مفہوم ہوگا؟ کیا میں یہ خیال کرنے میں حق بجانب ہوں کہ ہر یہودی اپنے آپ کو "خدا کا بیٹا" سمجھ سکتا ہے جیسا کہ کوئی یہودی عورت بھی اپنے آپ کو "خدا کی بیٹی" سمجھے؟

گیزا: ہاں، یہودیوں کو عام طور پر "خدا کے بچے" ہی کہہ کر خطاب کیا گیا ہے۔

شان فرائن: اس سلسلہ میں ایک مشکل جس کو میں یوں بیان کر سکتا ہوں یہ ہے کہ بہت سے نئے عہد نامہ کے عیسائی قارئین جب ان عبارتوں کو پڑھتے ہیں جب کہ عقیدہ تثلیث پہلے سے ہی ان کے ذہنوں میں نقش ہوتا ہے، تو ان کے نزدیک مسیحؑ خود کو خدا کا بیٹا یا خدا کا بیٹا تثلیث کے دوسرے اقنوم کی حیثیت میں، سمجھتے تھے۔ اور یہ کہ حضرت مسیحؑ اپنے متعلق اس خدائی تصور کا ہر جگہ اظہار کرتے تھے۔ اور یہ بالکل وہی بات ہے جس پر میں اور گیزا مکمل اتفاق رائے رکھتے ہیں۔ یعنی یہ کہ ہمیں ان مذہبی خیالات کو جن کا عیسائی عقائد میں ایک روایتی مفہوم ہے، حضرت مسیحؑ کی تاریخی شخصیت سے مکمل طور پر علیحدہ کرنے کی کوشش کرنا ہوگی۔

سوال: یہ ممکن ہی نہیں کہ یہ تاریخی مسیحؑ اپنے آپ کو خدا کے طور پر یا خدا ہونے کا دعویٰ کر سکتے تھے۔ اور ہم سب اس بات پر متفق ہیں۔

گیزا: اگر وہ اپنے آپ کو الٰہی وجود سمجھتے تھے تو میرے خیال میں وہ اس بات کا لوگوں میں اظہار نہ کر سکتے تھے۔

سوال: وہ اس بات کو اپنی زبان میں بیان کرنے کی اہلیت بھی نہ پاتے ہوں گے۔

گیزا: اگر ایسا ہوتا تو بھی یہ بات لوگوں کے لئے اتنی ملحدانہ یا رسوا کن ہوتی کہ وہ چیخ اٹھتے۔

سوال: "تاریخی مسیحؑ" کی جو تصویر بن کر ابھرتی ہے وہ ایک نبی کی تصویر ہے۔ وہ یقین رکھتے تھے کہ ان کی زندگی میں ہی "خدا کی بادشاہت" آجائے گی۔ اپنے پیروکاروں سے وہ صرف یہ چاہتے تھے کہ وہ خدا کے ساتھ نئے سرے سے عہد باندھیں اور کسی کلیسا سے تعلق نہ جوڑیں جو صرف اپنی ہی تعلیمات کے پھیلانے کے لئے وقف ہیں۔

"کوہ حسن" یا Mount of Beautitude وہ روایتی مقام ہے جہاں مسیحؑ نے پہاڑی وعظ فرمایا (اور کہا) "مبارک ہیں وہ جو صلح کراتے ہیں کیونکہ وہ خدا کے بیٹے کہلائیں گے" (متی ۵:۹)۔ یہ وہی محبت و آشتی کا پیغام ہے جو کہ ہمیں بتایا گیا ہے کہ انہوں نے پانچ ہزار لوگوں کو ویرانہ میں سنایا۔

مسیحؑ اپنے وقت کے لوگوں کو سمجھا رہے تھے کہ وہ مل بیٹھیں، اپنے تنازعات بھول جائیں۔ انہیں رومیوں کے خلاف بغاوت میں اٹھ کھڑے ہونے کے خواب کو بھول جانا چاہئے اور باہم امن سے رہیں۔ مگر ویرانہ کے لوگوں نے جب روٹیاں کھائیں تو انہوں نے مسیحؑ کو اپنا بادشاہ بنالیا اور میرے خیال میں اس طرح انہوں نے ان کے موت کے پروانہ پر دستخط کر دیئے۔

مسیحؑ کے آخری ایام کی کہانی ایک سفر سے شروع ہوتی ہے۔ پہلی تین انجیلیں بتاتی ہیں کہ مسیحؑ اور ان کے حواری گلیلی سے اتر کر یروشلم کی طرف جا رہے ہیں اور عید فسح سے قبل کی اتوار کو یروشلم پہنچ جاتے ہیں۔ وہ یہودیہ کے صحرا میں سے سفر کرتے ہوئے گزرے ہوں گے اور پاپیادہ انہیں پانچ روز لگے ہوں گے۔

مسیحؑ بیت عنیاہ (Bethany) جو کہ یروشلم سے تین میل کے فاصلے پر ایک گاؤں ہے میں ٹھہرے۔ یوحنا کے مطابق یہ وہ جگہ ہے جہاں انہوں نے لعزر (Lazarus) کو مردہ حالت سے اٹھا کر زندہ کیا اور یہی وہ جگہ ہے جہاں وہ اپنے پیروؤں سے کہتے ہیں کہ ان کے لئے ایک جوان گدھی لائیں جو کہ اسے سوار کر کے شہر میں پہنچا دے۔

سن ۳۰ء کے لگ بھگ اگر مسیحؑ عید فسح کے لئے یروشلم نہ آتے تو یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ اپنی کہاوتوں کے حوالے سے یاد رکھے جاتے۔ ممکن ہے کہ وہ اس زمانے کے دوسرے مقدس اشخاص کی طرح مشہور ہو جاتے مگر یہاں یروشلم میں جو واقعات وقوع پذیر ہوئے انہوں نے انہیں محض ایک عظیم استاد یا کرشمہ ساز کی بجائے ایک بہت زیادہ اہمیت کا حامل بنا دیا۔ غیر یہودی دنیا کے لئے ان کا خدا اور تمام انسانیت کا نجات دہندہ بن جانا گویا مقدر ہو چکا تھا۔

تمام راسخ العقیدہ یہودیوں کے لئے مقصود ہیکل ہوتا تھا۔ آج کل جو لوگ یروشلم جاتے ہیں وہ عظیم ہیروڈ کے تعمیر کردہ اس عظیم عمارت کا نمونہ دیکھ سکتے ہیں۔ عمارت کے چاروں طرف فصیل شمالاً جنوباً چار سو میٹر اور شرقاً غرباً تین سو میٹر لمبی تھی اور عمارت کے مرکز میں وہ مقدس ترین زیارت گاہ Holy of Holies واقع تھی۔ یہودی ہیکل میں تین مقاصد لے کر آتے تھے یعنی اپنا تزکیہ، عبادت بجالانا اور قربانی گزارنا۔

ہیروڈ کا تعمیر کردہ ہیکل سن ۷۰ عیسوی میں تباہ کر دیا گیا تھا اور اس جگہ پر اب مسلمانوں کی مقدس زیارتیں مسجد اقصیٰ اور گنبد صخریٰ بنی ہوئی ہیں۔

ایڈ سانڈرز (Ed Sanders) نے عید فسح کے موقع پر ہیکل کی مقدس رسومات کو بغور دیکھا ہے۔ اگرچہ ہم جانتے ہیں کہ یہودی راہب مقدس ترین زیارت گاہ کے سامنے بھیڑ کے بچے ذبح کیا کرتے تھے مگر سانڈرز کے خیال میں یہ واضح نہیں کہ یہ وہی جگہ ہے جو اب گنبد صخریٰ کے عین سامنے واقع ہے۔

جواب: اب ہم ایک بہت وسیع میدان سے اوپر کی طرف چڑھ رہے ہیں جو عید فسح کے موقع پر زائرین سے بھر جاتا ہوگا۔

سوال: تو ہم کتنے راہبوں اور کتنے جانوروں کا ذکر کر رہے ہیں؟

جواب: لاوی اور راہب سب ملا کر بیس ہزار کے لگ بھگ تھے۔ عید فسح کے موقع پر یہ سب ایک ساتھ ہی مصروف ہونے چاہئے کیونکہ چند گھنٹوں بعد سہ پہر کے وقت یہ لوگ قریباً ۳۰۰۰۰ جانور ذبح کرتے تھے۔ یہ گلا چیر دیتے تھے اور تڑپنے کی خاطر جانور کو لٹکا دیتے تھے۔

سوال: اور پھر انہیں خون کو قربان گاہ پر چھڑکنا ہوتا تھا؟

جواب: ہاں کچھ حصہ خون کا تو قربان گاہ تک پہنچانا ہی ہوتا تھا۔

سوال: بھیڑ کی قربانی کی تعداد سے اندازہ ہوتا ہے کہ تہوار کے وقت یروشلم کی آبادی کس حد تک بڑھ جاتی تھی۔ اس کی معمول کی پچیس سے تیس ہزار کی تعداد بڑھ کر دس گناہ ہو جاتی تھی اور اس وجہ سے رومی حکام پر زبردست دباؤ ہو جاتا تھا۔

جواب: صوبہ یہودیہ کے روزمرہ کے حکومتی کاموں کو چلانے سے پلاطوس کا کوئی زیادہ تعلق نہیں تھا۔ پلاطوس بحیرۂ روم کے ساحل کے کنارے ہیروڈ کے ایک انتہائی عیش و عشرت سے آراستہ محل میں جو کہ "سیزریہ" میں واقع تھا رہتا تھا۔ تاہم تہواروں کے موقعہ پر وہ بمعہ فوجی کمک کے یروشلم آجاتا تھا اور یہ اس لئے کہ تاریخ بتاتی ہے کہ ان تہواروں پر فساد اور شورش برپا ہوتی تھی۔ اب اگر آپ تین لاکھ کے لگ بھگ لوگوں کو ایک نسبتاً چھوٹے شہر میں ٹھونس دیں اور وسیع میدان کو ان زائرین سے بھر دیں جہاں وہ عید فسح کے دکھ اور تکلیفوں اور اذیتوں کو یاد کریں اور یہ کہ یہ مصری غلامی سے چھٹکارے کا جشن ہے گویا عید فسح کا مذہبی تہوار قومی نجات اور آزادی کی یاد کے طور پر منایا جاتا ہو تو کیا یہ سب کچھ ایک شورش یا فساد کے شروع کرانے کے لئے کم ہے؟

سوال: تو اب جو کہانی بنتی ہے وہ یوں ہے کہ ایک شخص گدھی پر سوار

ہو کر عید فسح کے موقع پر یروشلم میں داخل ہوتا ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ آپ اس کہانی کو ایک تاریخی واقعہ کے طور پر کتنا قابل یقین سمجھتے ہیں۔

جواب: یہ ایک ایسی بات ہے جس کے بارے میں میں واقعی اپنی زندگی میں موقف بدلتا رہا ہوں۔ اب سے پہلے میرا خیال تھا کہ اس واقعہ کا امکان بہت کم تھا۔ اگر اس موقعہ پر ایک بڑے مجمع کا شور ہوتا اور لوگ ادھر ادھر بھاگ کر پکارتے کہ "بادشاہ تشریف لے آئے ہیں" تو میرے خیال میں وہ شخص زیادہ دیر زندہ نہ رہ سکتا۔ میرے خیال میں یہ صرف ایک چھوٹا سا علامتی مظاہرہ تھا جو کہ مسیحؑ کے حواریوں اور ان کے پیروؤں کی خاطر کیا گیا تھا اور پھر یہ گروہ ایک چھوٹے سے جتھے کی شکل میں شہر کے ایک دروازے سے دوسرے زائرین کے ساتھ داخل ہو رہا تھا اور انہوں نے تمام شہر کی توجہ کو اپنی طرف متوجہ نہ کیا۔

سوال: عید فسح کے موقع پر یروشلم تو ہجوم کی وجہ سے پھٹنے والی حالت تک پہنچ جاتا ہو گا۔ راسخ العقیدہ یہودیوں کے لئے تو یہ یہودی کیلنڈر میں ایک اہم ترین تہوار تھا۔ اکثر لوگ یہاں وقت سے کچھ پہلے آجاتے تھے تا کہ شہر کے اندر رہائشی جگہ ملنے کو یقینی بنا سکیں کیونکہ عید فسح تو شہر میں ہی منائی جاتی تھی۔ اور باقی لوگ مسیحؑ کی طرح نزدیکی دیہات میں ٹھہرتے تھے اور فصیل شہر کے باہر خیموں کی قطاریں نظر آتی تھیں۔ اگر مسیحؑ واقعی شہر میں گدھی پر سوار ہو کر داخل ہوئے تو ممکن ہے وہ اپنے آپ کو اس پیشگوئی کے ساتھ تطبیق دینا چاہتے ہوں کہ "تیرا بادشاہ تیرے پاس آتا ہے..... وہ حلیم ہے اور گدھی بلکہ جوان گدھی پر سوار ہے" (زکریاہ ۹:۹)۔ تب کہانی یوں چلتی ہے کہ انہوں نے زر مبادلہ کے بیوپاریوں کی ہیکل کے اندر لگائی ہوئی میزوں کو الٹ دیا۔ یہ بات میری نظر میں مادہ پرستی پر حملہ کے مترادف نہ تھا بلکہ یہودی دنیا کو مطلع کیا گیا تھا کہ بادشاہت آنے والی ہے اور ہیکل جسمانی طور پر تباہ کر دیا جائے گا۔

جوں جوں کہانی آگے بڑھتی ہے مسیحؑ اکیلے اور تنہا ہوتے جاتے ہیں۔

عید فسح جو ایک نہایت سنجیدہ مذہبی تہوار ہونے کے علاوہ ایک جشن اور چھٹی کا دن بھی تھا۔ اس دن گانے، ناچنے اور شور و غل اور شہر میں خوشبو کا ہونا آسانی سے تصور کیا جا سکتا ہے کیونکہ ہر طرف تیس ہزار لوگوں کے لئے کباب بن رہے تھے۔ مگر مسیحؑ کو یقین تھا کہ انجام نزدیک ہے۔

زائرین کو بتایا جاتا ہے کہ بالائی کمرہ جہاں آخری عشائیہ منایا گیا تھا دراصل یہ صلیبی جنگجوؤں کی تخلیق ہے۔ بالائی کمرہ عموماً ایک کوٹھری نما بالائی کمرہ ہونا چاہئے تھا جس پر سیڑھی لگا کر چڑھا جاتا تھا۔ مگر اس آخری عشائیہ کے متعلق اہم سوال یہ ہے کہ کیا حضرت مسیحؑ نے Euchrist یا عشائے ربانی کی یادگاری تقریب از خود ہی شروع کی تھی؟ یا انہوں نے یہ الفاظ استعمال کئے تھے۔

"یہ میرا جسم ہے، یہ میرا خون ہے"

کیا وہ واقعی اس رسم کی ابتدا ایک نئے مذہب کے عملی قدم کے طور پر کر رہے تھے؟

جواب: میرے نزدیک تاریخی طور پر یہ تصور کرنا قطعی ناممکن ہے؟ مجھے معلوم نہیں کہ آپ اس کے متعلق کیا رائے رکھتے ہیں۔

جواب: از ایڈ سانڈرز، (یہودیوں کی عید کی تقریب کے ماہر)

یوحنا کی انجیل میں حضرت مسیحؑ کو ہر وقت استعارہ اور تمثیل کی زبان میں بولتے دکھایا گیا ہے۔ "میں ہی سچی انگور کی بیل ہوں"۔ "میں ہی زندگی کی روٹی ہوں"۔ وغیرہ وغیرہ۔ تو اب کوئی بھی ان بیانات سے یہ نتیجہ نہیں نکالتا کہ حضرت مسیحؑ کا تعلق نباتات سے تھا۔ "میں ہی سچی انگور کی بیل ہوں" کا مطلب سب لوگ استعارتاً ہی لیتے ہیں۔ میرے خیال میں ان فقروں یعنی یہ میرا جسم ہے، یہ میرا خون ہے، کی تعبیر کرنے کا یہی سب سے صحیح طریق ہے۔ یہ عناصر جن کا بھی نام لیا گیا ہے بطور علامت کے تھے۔ ان واقعات کے متعلق جو کچھ ان کے ساتھ ہونے والا ہے یہ استعارے ہیں۔ وہ عنقریب اس روٹی کی طرح توڑ دیئے جائیں گے۔ جس طرح اس روٹی کو توڑ کر کھایا جا رہا ہے۔

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام (جماعت احمدیہ لاہور) کے عقائد

۱ ہم اسلام کے پانچوں ارکان توحید، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور تمام ان عقائد و احکام پر ایمان رکھتے ہیں جو قرآن مجید اور احادیث نبویہ میں درج ہیں، اور جن پر سلف صالحین اور اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے۔

۲ ہمارا ایمان ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النّبیّین ہیں، اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا۔

۳ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جبرائیل کسی شخص پر بھی وحی نبوت لے کر نازل نہیں ہو سکتا کیونکہ اس سے ختم نبوت کی مہر ٹوٹ جاتی ہے۔

۴ وحی نبوت کے منقطع اور مسدود ہونے کے بعد صرف ولایت کا سلسلہ جاری ہے، تاکہ امت محمدیہ کے ایمان و اخلاق کی آبیاری ہوتی رہے۔

۵ اس امت میں حضور نبی کریم صلعم کے ارشاد کے مطابق صرف اولیاء کرام، مجددین اور محدثین آسکتے ہیں، نبی نہیں آسکتے۔

۶ اس امت کے مجددین میں سے حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی چودھویں صدی کے مجدد ہیں جیسا کہ گذشتہ تیرہ صدیوں میں مجددین آتے رہے ہیں، لیکن حضرت مرزا صاحب کے دعویٰ کے انکار سے کوئی شخص کافر نہیں ہو سکتا۔

۷ ہمارے نزدیک ہر کلمہ گو مسلمان ہے اور ہم مسلمانوں کے کسی فرقہ کو بھی دائرۂ اسلام سے خارج نہیں سمجھتے۔ ہم آئمہ اربعہ کے علاوہ اہل سنت والجماعت اور اہل تشیع کے آئمہ اور بزرگوں کا دل سے احترام کرتے ہیں، اور ان کی خدمات اسلامی کے معترف ہیں۔

۸ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور، ایک تبلیغی ادارہ ہے، جو یورپ و امریکہ، افریقہ اور کئی دیگر ممالک میں اشاعت اسلام کا فریضہ سرانجام دے رہا ہے اور اعلائے کلمۃ اللہ، قرآن مجید کے دنیا کی مختلف زبانوں میں تراجم اور ان کی اشاعت کے سوا ہمارا اور کوئی مقصد نہیں، اور اسی کام پر ہمیں مجدد زمان نے لگایا تھا اور یہی آپ کی بعثت کی غرض تھی جیسا کہ آپ نے فرمایا: "یاد رکھنا چاہئے کہ ہمیں بجز خادم اسلام ہونے کے اور کوئی دعویٰ نہیں"۔

صدرالدین

امیر جماعت احمدیہ، لاہور
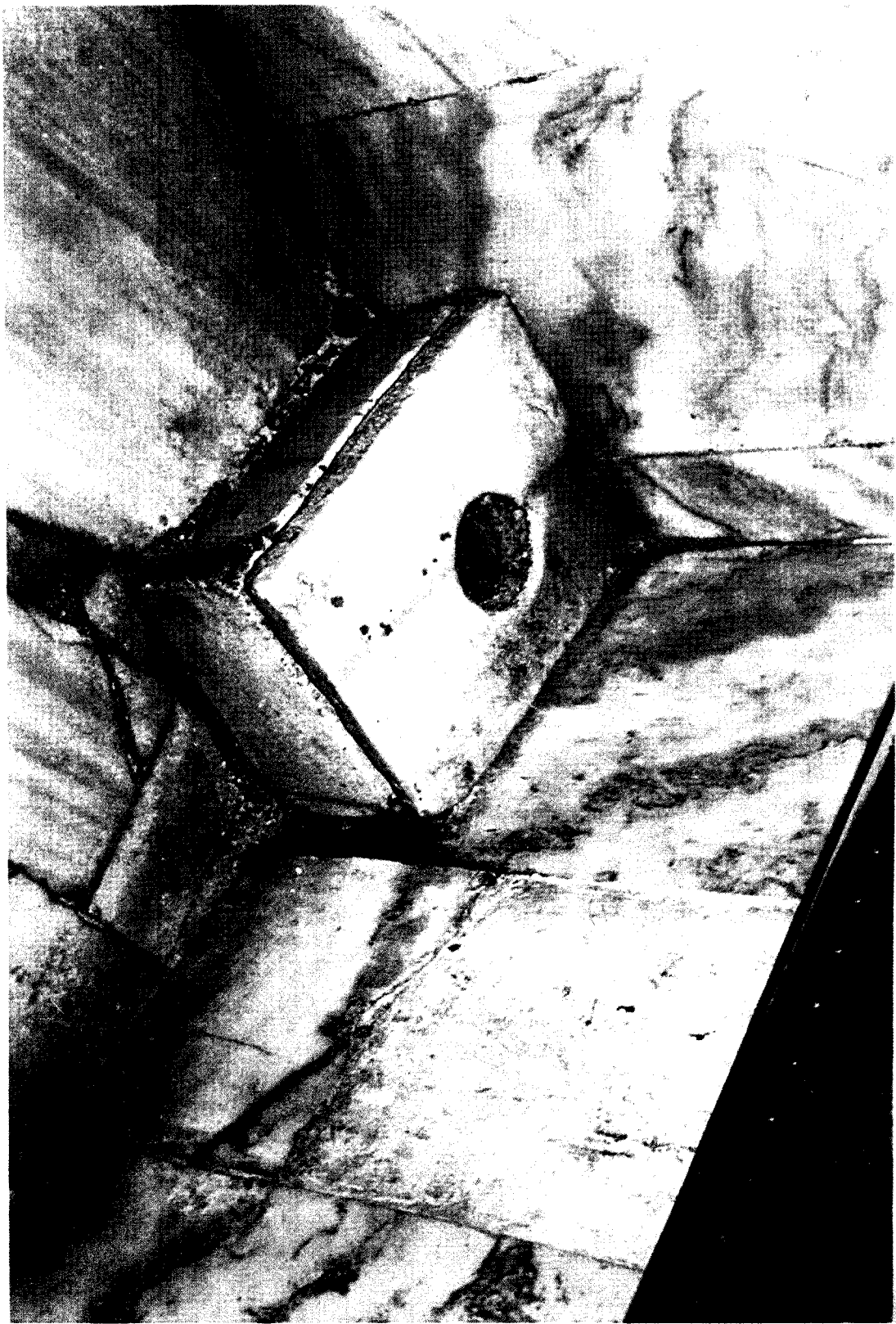
یروشلم میں حضرت مسیح علیہ السلام کی جائے پیدائش کی موجودہ تصویر